محرابِ تحقیق

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

ادارۂ یادگارِ غالب ۰ کراچی

محرابِ تحقیق

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

ادارۂ یادگارِ غالب ۰ کراچی

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ یادگار غالب

شمار: ۶۶

طبع اول:	۲۰۱۲ء
صفحات:	۱۷۶
طابع:	احمد برادرز ناظم آباد کراچی
قیمت:	دو سو پچاس روپے



ادارۂ یادگارِ غالب و غالب لائبریری

پوسٹ بکس: ۲۲۶۸، ناظم آباد، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

فون: ۳۶۶۸۶۹۹۸

حسنین

حمزہ

اور

مدثر

کے

نام

--------- تم سلامت رہو ہزار برس

مرقع

طلوع

محرابِ تحقیق میرے منتخب مقالات کا اولین مجموعہ ہے۔ اِن مقالات میں دریافت کے رنگ بھی ہیں اور بازیافت کی خوشبو بھی؛ روایت کا تسلسل بھی ہے اور اِس کی تعبیر بھی؛ تلاش کا سفر بھی ہے اور جستجو کا احساس بھی۔۔۔۔ ہنداسلامی تہذیب کا مرکزی نظامِ فکروعمل سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہوں کی مہکار سے معطر رہا ہے۔ میں نے اِن مقالات میں اُس خوشبو کو کشید کرنے کا جتن کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ میں اُس خوشبو کی عکس گری میں کہاں تک کامگار رہا ہوں، لیکن یہ ضرور ہے کہ میں نے اِس سلسلۂ فکروعمل سے اکتسابِ فیض میں کوتاہی نہیں کی۔

ایک دو مقالات کو چھوڑ کر بقیہ تمام تر مقالات اِسی سلسلۂ ابدآثار کے خوش کُن مناظر کی تعبیر اور تفہیم سے پیالہ گیر ہیں۔ تہذیب اور تصوف کے سلسلۂ خیال کو میں نے ادب کے تناظر میں دیکھا اور اِس کی تفسیر اور معنوی تعیین میں بھی اِسی روایت اور حقیقت کے تصورات میری پناہ گاہ رہے۔

میرے نزدیک: تحقیق ایک طرح کا صوفیانہ عمل ہے۔ اِس میں بھی اُس گہرے انہماک اور استغراق کی ضرورت ہوتی ہے، جو راہِ سلوک کے مسافر کا لازمۂ سفر ہے۔ جس طرح سالک اعتدال اور توازن کے حجرے میں بیٹھ کر انکشافِ ذات کے رنگوں میں بے رنگ کیفیات کی تجلیات سے لطف اندوز ہوتا ہے، اِسی طرح ایک محقق بھی ادب، تاریخ اور تہذیب کے دائروں میں سفر کرتا ہوا گوہر ہائے آبدار کی دریافت اور بازیافت سے نئے رنگوں کی کشید کرتا ہے۔ وہ حق کی تلاش میں سرگرمِ کار ہوتا ہے اور اِس عمل میں اُس کی تلاش اور جستجو کے رنگ دیدنی ہوتے ہیں۔ صبر، ضبط اور توازن یہ وہ اوصاف ہیں، جن سے ایک محقق کی فکری اور معنوی زندگی عبارت ہوتی ہے، یا ہونی چاہیے۔ وہ اِن رنگوں کی اوٹ سے بے رنگ دنیا کی جمالیات اور اِس کے تصورِ حقیقت سے مستنیر ہوتا ہے، تو اُس کی تلاش اور جستجو کا عمل مراقبۂ خیال کی خوشبو کے ہمہ رنگ اور

ہمہ جہت اُسلوب سے ہم آغوش ہوکر اُس بصیرت افروز اکائی کے معنوی سلسلۂ خیال سے مل جاتا ہے، جو حال سے ماضی کی طرف مراجعت سے عبارت ہوتی ہے، مگر اِس طرزِ احساس کے معنوی دریچے مستقبل آشنا رہتے ہیں، کیونکہ بقولِ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن: ''تحقیق چراغ سے چراغ جلانے کا عمل ہے، پچھلے چراغوں کو بے نور یا گل کرنے کا شغل نہیں۔۔۔۔رشید احمد صدیقی کی طرح میرا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی بڑا شاعر یا محقق اپنا درجہ کبھی نہیں کھوتا۔ بعد کے آنے والے شاعر یا محقق نہ اُس کو پیچھے دھکیلتے ہیں، نہ اُس کی جگہ لیتے ہیں، بلکہ شاعری یا تحقیق میں ایک نئے حسب و نسب یا سطح اور سمت کی نشاندہی کرتے ہیں''۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کا یہ قولِ جمیل: روایت اور تعبیر کے اُس زاویۂ فکر کا ترجمان ہے، جو تہذیبی اور معنوی افکار کی رعنائی سے عبارت ہوتا ہے۔ اِس سلسلۂ خیال میں ابد کے طاق پر رکھے چراغوں کی لو بڑھتی جاتی ہے، کم نہیں۔

عبدالعزیز ساحر

Sahir66_aiou@yahoo.com

شعبۂ اردو

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد

رؤف پاریکھ
معتمدِ عمومی، ادارۂ یادگارِ غالب

تقدیم

حضرتِ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا کہ:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

بے شک ہمارے آباء کی کتابوں کے بے شمار موتی یورپ والے رول کر لے گئے لیکن پھر بھی ان کا ایک معتد بہ حصہ ابھی ہمارے ہاں موجود ہے گو اس طرح محفوظ نہ ہو جس طرح یورپ میں ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں خانقاہوں کا ایک وسیع سلسلہ عرصۂ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ یہ خانقاہیں نہ صرف رشد و ہدایت کے مراکز کے طور پر معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرتی تھیں بلکہ علم اور تحقیق سے بھی جڑی ہوئی تھیں۔ ان خانقاہوں میں سے بعض تو ایسی ہیں جن سے منسلک نہایت گراں مایہ کتب خانوں میں دینی علوم اور دیگر موضوعات پر بیش بہا کتب کے مطبوعہ اور قلمی نسخے موجود ہیں۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ ہمارے عہدِ حاضر کے محقق بالخصوص جامعات میں سندِ تحقیق کے لیے موضوع کی تلاش میں حیران و سرگرداں نوجوان اگر تیسرے درجے کی ادبی شخصیات پر ''حیات و خدمات'' اور ''ادبی کارنامے'' جیسے گھسے پٹے موضوعات سے تحقیق کے نام کو داغ دار کرنے کی بجائے ان خزائن کی طرف متوجہ ہوں تو کیا خوب ہو! لیکن ان میں سے بیشتر کی

زبان فارسی ہے اور ہمارے لیے فارسی کی اب وہی کیفیت ہے جس کے لیے شاعر نے کہا کہ

ع — ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں؟

الا ماشاءاللہ۔

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اسلام آباد کی ایک جامعہ میں درس و تدریس سے تو منسلک ہیں ہی، تحقیق و تنقید نیز تصوف اور اس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ فارسی سے بھی خوب واقف ہیں۔ چنانچہ انھیں کتب خانوں میں مخطوطات کی تلاش میں کوشاں پایا۔ ایک بار علمی کام کے سلسلے میں شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی خیر پور جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہم رکاب ہونے کا موقع ملا۔ خیر پور کی سچل لائبریری میں ایسے چند فارسی مخطوطات محفوظ ہیں جو بعض بزرگوں کے حالات اور ملفوظات پر مبنی ہیں۔ لائبریری کے عملے اور ڈاکٹر یوسف خشک صاحب کے تعاون سے ساحر صاحب نے ایک مطلوبہ نسخے کا عکس سچل لائبریری سے حاصل کر لیا۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ کئی خانقاہوں کے بھی کتب خانے چھان چکے ہیں بلکہ ان کے بعض اہم قلمی نسخے کے تعارف اور ان کی تدوین پر کچھ کام بھی شائع کر چکے ہیں۔

چنانچہ ان سے درخواست کی کہ ان مقالات کو یکجا کر دیجیے۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور یہ مسودہ ادارے کو اشاعت کے لیے دے دیا۔ ان مقالات میں اہلِ علم اور اہلِ قلم کے ساتھ اہل اللہ کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بعض اہم مقالات اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان میں قلمی نسخوں کا تعارف بھی ہے اور بعض غیر مطبوعہ اور غیر مدون متون کا جائزہ بھی ہے۔ ساحر صاحب تحقیق اور تنقید کے تو مردِ میدان ہیں ہی نثر بھی خوب لکھتے ہیں۔ لہٰذا اب آپ ساحر صاحب کی تحقیق کے ساتھ ان کی سحر طراز نثر سے بھی لطف اٹھایئے۔

☆☆

حسام لاہوری:
سترھویں صدی کا ایک غزل گو

[۱]

حسام الدین لاہوری کون تھے؟ اُنھوں نے زندگی کیسے بسر کی؟ کتنی عمر پائی اور کہاں مدفون ہوئے؟ ہمیں کچھ معلوم نہیں، کیونکہ ایک آدھ استثنیٰ کے علاوہ فارسی اور اُردو کے تذکرے اور تاریخیں اُن کے ذکرِ خیر سے خالی ہیں۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی تالیف مقالات الشعرأ میں اُن کے متعلق چند جملے تحریر کیے ہیں:

"سیّد حسام الدین لاہوری، حسّام تخلص بانواب خلیل خان و احمد یار خان یکتا نسبتِ عزیزی ازطرفِ والده دارد، فقر اختیاری ورزیده، درزی فقرای سیارو از چندی دربلده است۔ قادر بخش لقب دارد و کلامش برطبقِ احوالش خالی از حالتی نیست۔ کبت و دوہره و ریختہ و اقسامِ شعر بسیار گفته"۔(۱)

تاریخ ادبِ اُردو میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی صاحب مقالات الشعرأ کے حوالے سے حسام الدین لاہوری کی اُردو شعر گوئی کا ذکر کیا ہے۔(۲) متذکرہ بالا اِن حوالوں کے علاوہ میرے مُطالعے کی حد تک اُردو ادب کی تاریخیں اور شعرائے اُردو کے تذکرے حسام الدین لاہوری کے بارے میں خاموش ہیں۔ جنابِ زاہر حسن فاروقی (۳) کو اوّل اوّل حسام لاہوری کی ایک اُردو غزل کو منظرِ عام پر لانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

''..... تاریخِ ادب کی خوش نصیبی کہ گزشتہ دنوں اٹک کی معروف علمی شخصیت اور مجلسِ نوادراتِ علمیہ، اٹک کے سیکرٹری جنرل محترم غلام محمد نذر صابری کے کریمانہ

توسط سے دار العلوم حمیدیہ، سلطان پور، ضلع اٹک میں موجود ایک قلمی بیاض تک احقر کی رسائی ہوئی۔ صاحبِ بیاض نے سیّد حسام الدین حسام کی ایک مکمل غزل قلم بند کی ہے۔ بیاض میں اوراق نمبر دیے گئے ہیں۔ صفحات نمبر نہیں ہیں۔ افسوس کہ مرورِ ایام سے اِس بیاض کے ابتدائی اوراق ضائع ہو چکے ہیں، اس لیے صاحبِ بیاض کا نام اور زمانۂ تحریر معلوم نہ ہو سکا، لیکن تحریر، حروف کی ساخت، الفاظ کے ہجے (املا)، بیاض کی ترتیب و اندازِ تحریر، کاغذ کی قسم (نوعیت)، اِس کے قدیم ہونے پر دال ہیں۔ سیّد حسام الدین کی یہ غزل بظاہر ولی دکنی کے دور سے قبل کی محسوس ہوتی ہے"۔ (۴)

[۲]

یہ بیاض (۵) مختلف رسائل کا مجموعہ ہے، جو عربی اور فارسی زبان میں ہیں۔ ان میں سے اکثر رسائل صاحبِ بیاض کے حسنِ کتابت کا ثمر معلوم ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے اِن رسالوں کو ایک ہی جلد میں یکجا کر دیا ہے اور سرخ روشنائی سے ترتیب وار نمبر تحریر کیے ہیں۔ بعض رسائل شروع یا آخر سے ناقص ہیں۔ بیاض کے ابتدائی اُنیس اوراق (۳۸ صفحات) دستبردِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ صفحات کی کل تعداد ۳۰۷ ہے۔

ناقص الاوّل ہونے کی وجہ سے صاحبِ بیاض کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ کون تھا اور کس عہد میں ہوا ہے؟ اُس نے بیاض کی خالی جگہوں پر اپنے مطالعاتی افادات درج کیے ہیں، جن سے اِن رسائل کی قدر و قیمت میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔ اِن رسائل کے بیشتر موضوعات: فقہ، تصوف، ادب، رمل اور نجوم ہیں۔

اِس بیاض میں حسام لاہوری کی غزل اور ایک نامعلوم شاعر کے ترجیع بند کے علاوہ اُردو کے ایک قدیم شاعر شیخ رحمت اللہ (مرشدِ شیخ بہاء الدین باجن) کی ایک مثنوی بھی شامل ہے، جس میں بعض فقہی مسائل کو منظوم کیا گیا ہے۔ قدیم اُردو کی اِن منظومات کے علاوہ بیاض میں فارسی کی بھی چند منظومات شامل ہیں۔

[۳]

سید حسام الدین حسام لاہوری کی غزل بیاض کے ورق نمبر ۱۱۴/ب پر درج ہے۔ مطلع اور مقطع سمیت یہ غزل گیارہ اشعار پر مبنی ہے۔ غزل نثر کے انداز میں چودہ سطروں میں لکھی ہوئی ہے۔ عکسِ بیاض دیکھیے:

ریختہ

دل بیچ یو آیا وہم دنیا میں دل بانا عبث ،، اوس یاد ربکی یاد بن ای دل تجی رہنا عبث
مرشد بتلایا تجی ہر دم شغل اللہ کا ،، ہر حال میں مشغول ہو ضایع عمر کھونا عبث
انکھیوں کوں تیری مونڈ کر رکھ دھیان قرآن دلکی اوپر ،، جز یار حقکی یاد بن دوسرا
وہم رکھنا عبث ،، دلکی ورق اوپر یتوں لکھ ہر دم اسم اللہ کا ،، ای عاشق مولا
تجی دفتر ورق لکھنا عبث ،، پھرنا پھرانا چھوڑ کر رکھ یاد اسم ذات کوں ،،
عاشق کوں اوسکی نام بن دوجا حرف جپنا عبث ، حرص و ہوا کوں دور کر طالب
ہو رب کی نور کا ،، ای عاشق راہی خدا ظلمت منیں رہنا عبث
مال و متاع فرزند سیں روز قیامت نہیں نفع ،، جسیں نفع آخر نہیں اوس
بیچ دل بانا عبث ،، حقنیں تجی دنیا منیں بھیجا عبادت واسطی ،،
اسکی عبادت بن تجی دنیا منیں رہنا عبث ،، حقنیں محبت سیں تجی
عرفان بتدل پیدا کیا ،، ربکی محبت بن تجی دنیا منیں جینا عبث ،، دل توکا
اوسکی اوپر جو کوئی فانی کدھوں ،، جو چیز کی باقی نہیں ہے اوسکو یہ
دل دینا عبث ،، اب تو حسام ہو جا فنا مرشد کی صورت میں سدا ،، سالک
کوں وصل حق بناں دوجی جگی ٹھہرنا عبث ،، تمام شد

ریختہ:

(۱) دل بیچ یو آیا وھم دنیا مین دل بانان عبث
اوس یاد ربکي یاد بن اي دل تجي رهنا عبث

(۲) مُرشد نے بتلایا تجي هر دم شغل الله کا
هر حال میں مشغول هو ضایع عمر کهونا عبث

(۳) انکهیون کون تیري موند کر رکهه دهیان وان دلکي اوپر
جُز یاد حقکي یاد بن دوسرا وهم رکهنا عبث

(٤) دلکي ورق اوپر تون لهکه هر دم اسم الله کا
اي عاشق مولا تجي دفتر ورق لهکنا عبث

(٥) پهرنا پهرانا چهور کر رکهه یاد اسمِ ذات کون
عاشق کون اوسکي نام بن دوجا حرف جپنا عبث

(٦) حرص و هوا کون دور کر طالب هو رب کي نور کا
اي عاشقِ راهي خدا ظلمت منیں رهنا عبث

(۷) مال و متاع فرزند سیں روز قیامت نهیں نفع
جسین نفع آخر نهیں اوس بیچ دل بانان عبث

(۸) حقنیں تجي دنیا مینں بهیجا عبادت واسطي
اسکي عبادت بن تجي دنیا منیں رهنا عبث

(۹) حقنیں محبت سیں تجي عرفان بدل پیدا کیا
ربکي محبت بن تجي دنیا منیں جینا عبث

(۱۰) دل تو لکا اوسکی اوپر جو کونهوئی فاني کدهون
جو چیز کي باقي نهیں اوسکو یه دل دینا عبث

(۱۱) ابتو حسام هو جا فنا مرشد کي صورت میں سدا
سالك کون وصلِ حق بنان دوجی حکي ٹهرنا عبث

[۴]

الفاظ کے معانی اور اُن کا جدید املا:

(۱) بیچ = میں، درمیان، اندر ...... یو = یہ ......وهم = وہم......مین = میں......
باناں= بانا، باندھنا، لگانا، پرونا

(۲) تجي = تجھے......هر = ہر

(۳) انکہیوں = آنکھوں......کوں = کو......تیري = تیری، یہاں مراد ہے اپنی......
دہیان = دھیان......وان = واں......دلکي = دل کے

(۴) توں = تو......لہکہ = لکھ......اي = اے......لہکن = لکھنا

(۵) پہرنا پہرانا = پھرنا پھرانا......چہور = چھوڑ......رکہہ = رکھ......کون = کو......
اوسکي = اس کے

(۶) هوا = ہوا، ہوس......هو = ہو......کي = کے......راهي خدا = راہِ خُدا......میئں =
میں......رهنا = رہنا

(۷) سیں = سے......جسیں = جس سے......اوس =اس

(۸) حقنیں = حق نے......واسطي = واسطے

(۹) بدل = بہ دل، دل میں......ربکي = رب کی......اوسکي = اس کے

(۱۰) نهوئی = نہ ہو......فاني = فانی......کدهوں = کبھی......کي = کے......باقي
= باقی

(۱۱) ابتو = اب تو...... بنان = بنا، بن، بغیر...... دوجی = دوسری...... جگی = جگہ......
ٹھہرنا = ٹھہرنا

[۵]

حسام لاہوری کی اِس غزل کے تمام اشعار عارفانہ اور صوفیانہ رنگِ سخن کے غماز ہیں۔ اُن کی فکر: وحدت اور تسلسل کی آئینہ دار ہے۔ دنیا مقامِ فنا ہے؛ اِس سے دل لگانا وبالِ جان ہے؛ اصل زندگی خدائے ذوالجلال کی معرفت و آگہی سے عبارت ہے؛ تخلیقِ کائنات کا مقصد اور محور انسان ہے؛ انسان کی بعثت اور عباداتِ الٰہیہ لازم وملزوم ہیں؛ مُرشد، خُداوندِ قدوس تک رسائی کا ایک زینہ ہے، جیسے: متصوفانہ مضامین اِس غزل میں بیان ہوئے ہیں۔

غزل کی ردیف 'عبث' بھی دُنیا سے بیزاری اور بے نیازی کا عنوان لیے ہوئے ہے۔ 'کھونا، رکھنا، رہنا اور جینا' جیسے قوافی اِس پر مستزاد ہیں۔ پوری غزل میں پنجابی زبان کا اثر نمایاں ہے۔ پنجابی چونکہ شاعر کی مادری زبان ہے، اِس لیے اکثر الفاظ پنجابی لہجے اور تلفظ کے ساتھ نظم ہوئے ہیں۔[ماہ نامہ ماہِ نو، لاہور: ستمبر ۱۹۹۰ء/ ماہ نامہ سب رس، کراچی: اکتوبر ۱۹۹۰ء/ قومی زبان، کراچی: نومبر ۱۹۹۰ء/ تحقیق نامہ مجلّہ شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، لاہور: ۱۹۹۱ء۔۱۹۹۲ء/ پاکستانی ادب ۹۲ء: ڈاکٹر سلیم اختر و خالدہ حسین (مرتبین): اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد: ۱۹۹۳ء]

حواشی اور حوالے:

(۱) مقالات الشعراء: سیّد حسام الدین راشدی (مرتب): سندھی ادبی بورڈ، کراچی: ۱۹۵۷ء: ص ۱۷

(۲) تاریخ ادبِ اردو (جلد اوّل) مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور: جولائی ۱۹۷۵ء: ص ۶۸۱

(۳) زاہر حسن فاروقی تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ زندگی کا طویل زمانہ اٹک میں گزارا۔ جہاں وہ گورنمنٹ کالج، اٹک میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ۲۰۱۰ء میں وفات پائی اور اسلام آباد میں مدفون ہوئے۔

(۴) مشعل: مجلّہ گورنمنٹ کالج، اٹک: اپریل ۱۹۸۸ء: ص ۹۰

(۵) بیاض کے تفصیلی مطالعے کے لیے اس مجموعے کا مقالہ: ایک قدیم خطی بیاض کا تعارفی مطالعہ ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ رحمت اللہ:

پندرھویں صدی عیسوی کے ایک مثنوی نگار

[ا]

شیخ رحمت اللہ نویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی) کے ایک نامور عالمِ دین اور صاحبِ عرفان ویقین بزرگ تھے۔ محمد غوثی شطاری نے اپنی کتاب گلزارِ ابرار میں اُنھیں نہایت عالی مقام، پسندیدہ افعال، سنجیدہ اقوال، ضمیر شناس اور باطن آگاہ لکھا ہے۔(۱) وہ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والدِ گرامی شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ سے بیعت رکھتے تھے، جن کا روحانی تعلق شیخ رکن الدین مودود سے تھا۔ شیخ مودود:

> ''حضرت شیخ فریدالدین مسعود کی اولاد میں تھے، مگر سلسلۂ چشتیہ: شیخ محمد بن احمد مودودی سے حاصل تھا، جن کو اباً عن جدٍ یہ سلسلہ ملا تھا۔ ہندوستان میں یہی ایک طریقہ ہے، جو بغیر واسطۂ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کے پہنچا ہے۔ اِس سلسلے میں عزیز اللہ متوکل، شیخ رحمت اللہ، شیخ بہاء الدین، شیخ علی متقی وغیرہ بڑے جلیل القدر مشائخ ہوئے ہیں، جو دکن اور گجرات میں صدیوں تک لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے ہیں''۔(۲)

شیخ رحمت اللہ کے دادا شیخ یحییٰ بن لطیف الدین، حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے۔ گلزارِ ابرار کے مصنف نے اُنھیں دہلوی لکھا ہے۔ یہ نسباً فاروقی ہیں۔ شجرۂ نسب فرخ شاہ کابلی سے جاملتا ہے۔ شیخ رحمت اللہ اور اُن کے خاندان کے حالات کا اہم ترین ماخذ گلزارِ ابرار ہے۔ اگر چہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی اُن کا ذکر خیر کیا ہے، لیکن اکثر تذکروں میں اُن کا ذکر، شیخ بہاء الدین باجن کے حوالے ہوا ہے، جو اُن کے مرید وخلیفہ تھے۔ شیخ باجن زبانِ ریختہ میں اپنے وقت کے اہم شاعر تھے۔

اُنھوں نے مولانا روم کی طرح اپنے مجموعۂ نگارشات کو اپنے شیخ کے نامِ نامی سے معنون کیا ہے،(۳) جو اُن کی اپنے مرشد سے عقیدت کا ایک مظہر ہے۔ شیخ باجن وہ پہلے بزرگ ہیں:

''جنھوں نے اُردو زبان کو زبانِ دہلوی کے نام سے یاد کیا [ہے]''۔(۴)

شیخ رحمت اللہ کے والدِ ماجد آخری عمر میں مانڈو میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور اپنے فرزندوں(۵) کو گجرات بھیج دیا تھا۔ بقولِ صاحبِ گلزارِ ابرار:

> ''جب [شیخ رحمت اللہ کو] پدرِ بزرگوار سے گجرات کی اجازت ملی، تو حیدر آباد میں جا کر اُس کے ایک کنارے قیام کیا۔ خُدا دوست دانش مندوں نے ہر طرف سے بہ ترکِ سکونت آ کر آپ کی ہمسائیگی میں حجرے بنائے اور صوف پوشوں سے خانقاہ آباد ہوئی اور اِس سبب سے وہ کوچہ شیخ پور کے نام سے مشہور ہوا''۔(۶)

[۲]

شیخ رحمت اللہ کے سالِ ولادت اور سالِ وفات کے متعلق تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ تاہم قرائن اِس امر کے مؤید ہیں کہ اُن کا انتقال نویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی) کے ربعِ آخر میں ہوا۔

شیخ رحمت اللہ اُردو زبان میں شاعری کرتے تھے، لیکن اُردو کے کسی بھی تذکرے میں بحیثیتِ شاعر اُن کا ذکر نہیں ہوا۔ اگلے صفحات میں اُن کی ایک مثنوی ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے، جو مجھے ایک قدیم اور نادر قلمی بیاض سے ملی ہے۔ اِس مثنوی میں شاعر نے اپنا پورا نام بطور تخلص استعمال کیا ہے۔

مثنوی شیخ رحمت اللہ جس بیاض سے لی گئی ہے، وہ آستانۂ عالیہ چشتیہ سلطان پور (ضلع اٹک) کی ملکیت ہے۔ یہ مثنوی بیاض کے آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مثنوی کے خطی نسخے کا عکس ملاحظہ ہو:

[۳]

بیشتر پہلے بسم الله الرحمن الرحیم و بہ نستعین

اول الله یتی بولوں ثنا ت — شروع میں کروں ایک حمد نعت

سنو بات میری سو دل تے سنوں — لگاؤ تمہیں دل منے سب سوں

سزاوار سکوں ہی سب یو بکہان — دیا صاحب ہی بیجیل حضور رہکاں

شب و روز اوسکی کہوں میں ثنا — جو دونوں جہان بیچ ہی رہنما

کہو دو یقین آدمی سب عالم کی آہی — کہ جسکی حقیقت محبوب احمد نبی

خدا مجکوں توفیق دیوے اگر — تعریف اونکی کروں بیت مکر

محمد دو دنیا جگ میں سردار ہیں — کریم المحشر کوں وہی یار ہیں

اور فخر انبیا صفت بجا لیاؤں تم — کہ تا روز جنت منے جاؤں تم

درود ان اونوں پر پڑوں اور رات — کہ لیجاویں جنت میں اپنی سنگات

ثنا صفت کے بعد بولوں بیان — خلق میں ہے الکسو ہوکے عیان

اب گرو لینا ہیں ان اب کہ عرضہ در زبان ہندوی — فقط سیتی بیتان لکھوں مثنوی

کتاب

کتابت کے موافق کہوں میں جو آ — کرتا ہوں دی مجکوں زیادہ ثواب

سخن تم دلوں سیں سنو لاکر آب — مسائل ہیں چالیس ہور چار آ

وی ہیں مرد و عورت کوں بوجھنی فرض — سنو ہات دل سیں یو تیس کر عرض — بوجھنی

اگر یو مسائل نہ آویں جسے — تو ان پر بھی لازم سکھاوے اسے

اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہو سکے — کرنا دانکی سیں وی فارغ ہو سکے

بیچارہ نہ جانے پو چھیں اونو سوا — بتاویں تو ایمان رہوے بحال

اگر وی زبانسیں کہیں یہ سخن — مسائل نہ یک بوجتی ہیں جمن

تو ایمان اونکا درست نہیں صحیح — کتابونا میں بات یونکر کہی

جو طاعت عبادت ہیں کے جی اونکے — وی مقبول نہیں حق کے زرکہ منے

درست نہیں اونکی ہیں صوم و صلوٰۃ — نکاح و نہ حج اور صدقہ نہ زکوٰۃ

ذبح جو کیے ہیں اونے جانور — وی مردار ہوتے ہیں بوجھو بسر

بیان اب کروں میں مسائل کتیں — کہوں ہوں ہر یک سب جدا اہل کتیں

ہے اول خدا کی سناوں صفت — کتا ہوں تو تم یا اندر [illegible]

کہ پہلی صفت او سمیع ہے کئی ہے بنان جیو جیوتا ہی صاحب وہی ہے

یہی دوجی صفت کا سنو تم بیان خدا بولتا ہی زبان بن عیان ہے

صفت تیسری وہی ہے سو دانا ابھی یہ و صفتو نسای اوسکوں یہ جہان ابھی

چہارم صفت یہی سو قادر خدا ہر یک شے میں قدرت ہی اسکی سدا

صفت پانچویں تم سنو کان سوں وہی صاحب سنتا ہی بن کان سوں

چھٹی صفت کون میں سو لیو نکر کہ وہی دیکھتا ہی سدا انکھیاں بنا

صفت ساتویں یہی تو پہچان لیا جو چاہا اسکی خواہش میں دیا

یہ صفت خدا اسینی یو ہی سے کہ خدا لیے بہی مجکوں توفیق دی

صفت پہر بنا فسیں کہو سو پانچ ریگ مسلمانیکی ہی بنا پانچ رہے

کہ کلمہ شہادت سو کہو پہلی تو سنت جماعت کا ہووی اہل

او سے شہادت طیب یہی توحید کا کہ اس بعد تنزیہ و تمجید کا

یہی دوجی بنا کا سنو تم آواز فرض ہی تمہ پیر سو روزہ و نماز

زکوۃ یو سو پہر آپنی مال کی گذارو تیاک حج بہی یک سال کی

سو کرنا پڑا یا انکی ہی نصفت خدا مجکون کہنی کی دیوی ہمت

اور

اول لیاؤ ایمان اوس رب تے　جو بے شبیہ و مثل ہی سب تے

کہ دو جگ میں اوسکی نہیں کوئی مثل　نہیں اوسکو ماں باپ نہیں ہیچ نسل

بہی لیاؤ فرشتوں پیں ایمان تیں　وو قائم ہیں رب کے سو فرمان میں

انوں میں فرشتے بڑے چہار ہیں　مراتب اونونکی سو بسیار ہیں

کتابوں پیں ایمان لیاؤ سبی　جو نازل خدا نے کیا نبی پر

کہ ایک سو پر چودہ سو نازل کیاں　اماں چار تیان ہیں اوس درمیان

کہ توریت انجیل پچھے زبور　چہارم ہی فرقان کلام غفور

پچھے لیاؤ ایمان از انبیا　جنوں پہل آدم کوں پیدا کیا

رسولانی رسولوں کوں کرناں شمار　کہ ہیں بعضی یک لاکھ چوبیس ہزار

پیغمبری سبکی توں کر قبول　کہ آخر سو ہیں سبکی محمد رسول

پنجم لیاؤ ایمان قیامت بدل　کہ جس دن وہ صاحب کریگا عدل

بعد از موت کی پھیر بخشیگا جان　وہی دن کر یاد ای مومنان

چھٹی صفت ہیکی یہ ایمان میں　کہ نیکی بدی بوجھ رحمان سیں

خدا راضی ہوتا ہے نیکی منے　بدی کوں وہ [illegible] نہیں

کہ چھیلی صفت یہ سو لیا ڈیقین جو رہو سلامت یہ ایمان و دین

سو مخ بیچ سوں اد تھنان سو برحق اچھے ارے بندے کیوں کر تو غافل رہے

یہ ایمان کی صفت ہوئی تمام سو بعد اسکے سن دو دوجا کلام

بیان اب کروں میں فرائض نماز مجھے دیوے توفیق رب بے نیاز

فرائض نماز کے یہ چودہ سو سن کہ سات ہیں شرائط یہ سات ہیں رکن

اول پاک جند دوجے پاک جگہ تیجا فرض کپڑے تو سب پاک کر

چوتھا فرض ہے یہ نماز کے بہتر کہ ہے اپنی عورت کوں کرنا ستر

فرض پانچواں ہے سو کر نیت چھٹا فرض ہے کا پچھانو وقت

فرض ساتواں ہے سو قبلہ نگہبان یہ ساتوں شرائط کی ہے فرمیں بیان

یہ پہلا رکن ہے کا نماز بیچ یو اول تو زباں سیں سو تکبیر نہ

دوجا فرض تمکوں سو رہنا کھڑا قرأت آئی سو پرتی فرض تیسرا قرآن

چوتھا فرض جانو رکوع کوں سوتم یہ پیچھوں سجدہ کرنا ہے فرض پنجم

چھٹے فرض ادنہ سو اکو ہونگے کہ یہ تھو سو آخر حق کی تم قاعدہ

فرض ساتویں پر سو لیا ڈ اعتبار کہ فعل [illegible] سیں آنا بہار

سو شرائط اب بولوں من

یہ چودہ نماز کی فرض جان توں — کہ سات شرط سات ارکان توں

وضو کے فرائض تیں اب سنو — رکھو یاد انکوں اور من مو سنو

فرض چہار ہیں کی طہارت منیں — یہ انگلی آیا اہی قرآن کی آیت منیں

اول یہ دھونا منہ کیں اس مثال — تہو رسیدہ کہ ہیکی جیتی نکی بال

دوجا فرض جانو ایتے ہاتھ کوں — کہنی تک سو دھو دونوں ہاتھ

تیجا فرض ہے سر کوں کرنا مسح — کتابوں میں لیایا ہے جو تہا حصہ

فرض چاریاں ہے دو پانوں دھونا — ویسا دھونا ٹخنوں تک

غسل کا بیان اکر دو نیر ہے — فرائض غسل سو تین ہیں

اول غرغرا کرنا پانی سیں — دوجا ڈالنا پانی سو توں ناک

تیجا فرض ہے دھونا سارا بدن — جو ہے سارا دھووے تیری سر سیں

فرض اب تیمم کے کہوں تمہیں — کہ ہندی زبان بیچ سمجھو تمہیں

اول پاک جاگہ کوں کرنے طلب — دوجا فرض نیت کیتے یو جہ اب

تیجا فرض ہی ہات مارنا — یہ دانوں اول مرتبہ سوں

دوجی مرتبہ پر زمین ہات مارنا — مسح کر دو ہاتہ انکوں کہنی سا

پچھوں رہے ہیں فرض رفتہ منیب — وہ جائے نہ توں نکوں سنے بو

اور وقت کا حد نگہبان توں — وہ جا فرض تدبیر سبھی جان توں

تب آخر ضحیٰ دن کا بن مست پے نکھا — کیا حکم نہ مستے کے نزدیک جا

در بیان کرسی نامہ

کہوں میں نبی کے سوا کرسیاں — کتا ہوں نکی اندر جو جا مولیان

محمد بن عبد الله بن کی مگر — پچھو مطلب ہیں کے عموکر دوکر

پچھے ہاشمی جد تھی عبد المناف — یہ کرسیاں چار میں بیان سو مسافت

سخن پہ رکھوں ایک کر کر چہار — سنو یو تو تمام اب اسکے چہار

در بیان مذہب چہار

کہ مذہب چہاروں ہیں برحق سہی — حنیفے سو اول دوجی شافعی

تیسرا ہوں مالکی سو تیجی کہو — چوتہا حنبلی ہے ایمو من بستو

دگر بھی مسائل سبھی یوں لیا — مسعودی میں بیان جو کیا

او سبکی بنائے ہیں کوں سنائوں خبر — کرو سنو مرد قوت سوکر

اگر جا دی ایمان سلامت ستی — وہ بوجہو تہاں حکم علامت ستی

پنہلے ہووے نشانی یہ اوسکی مہان — ہووے اوسکی انکھوں سیں پانی روان

بہی دوجی نشانی دیکہو یاد　　دو نون اسکی نکسو تری یا نو دین

پچہے بوجو اس ہی نشانی ہی　　کہ بہیکی عرق سی پیشانی سہی

یہ تینون نشانیان ہو جس پتر　　اوسی جو تو کر درگاہ میں پایا اجر

بہی ایک جسکا سلامت نہیں　　نشانی جو ہی تین اسکی دہین

اولی جو نشانی کہ جب وہ مرے　　اوسی وقت آواز خرخرا کرے

دوجی یہ نشانی ہی اسی وقت تو　　سیاہ اوسکی ہو جاوی دو نون

نشانی یہی اسکی جو جہو اخر　　کہ رنگ اسکی جسم کا ہو وی

اوچ [illegible] آدمی جیسے　　قیامت میں مشکل پڑیگی اوسے

اری مومنان تم یہ دانکو دعا　　کہ ایمان سلامت ہی لیجیے بلا

یہ ساری مسائل کہنی ہیں تمام　　زبرکت محمد نبی الکرام

یہ ساری مت مگر کو یہ بوجہ تم ہی　　کہ بندگی تماری [illegible]

ہم تمہہ نبات کچہ بہی نہیں روا　　اری بندی [illegible] منت [illegible]

علم کے طلب میں رہو روز و شب　　تو پاؤ مراتب [illegible] نزدیک رب

خدایا بخش ہر مسلمان کون　　کہ دنیا سی لیجیے با ایمان

کتی رحمت الله ای رب الرحیم　　مجہی دین [illegible] مستقیم

تمت تمام شد [illegible] والحمد لله علی ذلک

[۴]

اگلے صفحات میں اِس مثنوی کا پورا متن توضیحی حواشی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) اوّل اسم اللہ میں بولوں شتاب
شروع میں کروں ایک ہندی کتاب

(۲) سنو بات میري سو دلجان سوں
لگاؤ تمیں دل سو سبحان سوں

(۳) سزاوار اوسکوں هي سب یہ بکهان
وي صاحب هي بیمثل هور بیمکان

(٤) شب و روز اوسکي کهوں میں ثنا
جو دونوں جهان بیچ هي رہنا

(٥) کرو بندکي اوس رب کے عالم سبهي
کہ جسکي هئیں محبوب احمد نبي

(٦) خدا مجکوں توفیق دیوي اگر
تو تعریف اونکي کروں میں مگر

(۷) محمدؐ دونوں جگمیں سردار هیں
کہ یوم الحشر کوں وهي یار هیں

(۸) اونونکي سو سنت بجا لیاؤ تم
کہ تا روز جنت منیں جاؤ تم

(۹) درو دان اونون پر پهڑو دن اور رات
که لیجاویں جنت میں اپني سنکات

(۱۰) ثنا صفت کیے بعد بولون بیان
خلق میں مسائل سو هویے عیان

(۱۱) بیان اب کرون در زبان هندوي
فصاحت سیں بیتان لکهون مثنوي

(۱۲) کتاب کیے موافق کهون مین جواب
که تا هووي محکون زیاده ثواب

(۱۳) سخن تم دلونسیں سنو یار اب
مسائل هیں چالیس هور چار اب

(۱٤) وي هیں مرد و عورت کون بوجنئي فرض
سنو بهائی دلسین یه میریے عرض

(۱۵) اگر یه مسائل نه آویں جسیے
تمون پر هي لازم سکهاؤ اوسیے

(۱٦) اکر لڑکا یا لڑکی بالغ هوویے
که نادانکي سیں وي فارغ هوویے

(۱۷) پیچهیں جاکیے پوچهن اونونکون سوال
بتاویں تو ایمان رهویے بحال

(۱۸) اگر وي زبانسیں کهن یه سخن
مسائل نه یك بوجتي هیں همن

(۱۹) تو ایمان اونکا درست نهیں صحي
کتابوں منیں بات یونکر کهي

(۲۰) جو طاعت عبادت بهي کیے هي اونیے
وي مقبول نهیں حق کیے درکه منیے

(۲۱) درست نهیں انونکي بهی صوم و صلوة
نکاح اور حج اور صدقه زکوة

(۲۲) ذبح جو کیي هیں اونیے جانور
وي مردار هوتیے هیں بوجو بشر

(۲۳) بیان اب کروں میں مسائل کتین
که سمجهاؤں هریك سو جاهل کتین

(۲٤) میں اوّل خدا کیے سناؤں صفات
کتابونکي اندر وي لکهئیں هیں سات

(۲۵) که پهلی صفت اوسمیں هیکي یهي
بنان جیو جیوتا هي صاحب وهیے

(۲٦) بهي دوجي صفت کا سنو تم بیان
خُدا بولتا هي زبان بن عیان

(۲۷) صفت تیسریے وي سو دانا اهیے
یه صفتونسیں اوسکوں پچھاناد اهیے

(۲۸) چهارم صفت هیے سو قادر خدا
هر یك شیے میں قدرت هي اسکي سدا

(۲۹) صفت پانچمي تم سنو کان سوں
وي صاحب سو سنتا هي بن کانسوں

(۳۰) چهتیی صفت کوں میں سویونکر سُنا
که وي دیکهتا هي سو انکهیوں بن

(۳۱) صفت ساتمی بیچ یوهیں لیا
جو تها اسکي خواهش میں سب وي کیا

(۳۲) یه صفت خدا مینیی پوري سو کیے
خدا نے یهي مجکوں توفیق دي

(۳۳) سخن پهر زبانسیں کهوں سانچه ري
مسلمانیکی هي بنا پانچه ري

(۳٤) که کلمه شهادت سو کهوي پهل
تو سنّت جماعت کا هوی اهل

(۳۵) اوسیے سات طیب نیں توحید کا
که اس بعد تنزیهه و تمجید کا

(۳٦) بھي دوجي بنا کا سنو تم آواز
فرض هي تمونپر سو روزه و نماز

(۳۷) زکوة ديو سو پھر آپني مال کيے
گذارو تميں حج بھي يکسال کيے

(۳۸) ذکر سات ايمانکي هي صفت
خدا مجکون کهني کيے ديوي همت

(۳۹) اول لياؤ ايمان اوس رب ستيے
جو بيے شبه بيے مثل هي سب ستيے

(٤۰) که دوجك ميں اوسکي نهيں کو مثل
نهيں اوسکون ماباپ نين هيے نسل

(٤۱) بهيي لياؤ فرشتونسيں ايمان تميں
وه قائم هيں رب کيے سوفرمان سيں

(٤۲) انون ميں فرشتي بڑي چهار هيں
مراتب اونونکي سو بسيار هيں

(٤۳) کتابونسيں ايمان لياؤ سبي
جو نازل خدا نين کيان بر نبي

(٤٤) که ايك سو نيں چوده سو نازل کيان
امان چار بڑيان هيں اوس درميان

(٤٥) که توریت انجیل تیجي زبور
چهارم هي فرقانٰ کلامِ غفور

(٤٦) پیچهیں لیاؤ ایمان از انبیا
سبوں پهل آدم کوں رتبا دیا

(٤٧) روا نیں رسولونکوں کرناں شمار
که هیں بعضیے یك لاکه چوبیس هزار

(٤٨) یه پیغمبري سبکي تود کر قبول
که آخر سو هینکي محمد رسولؐ

(٤٩) پنجم لیاؤ ایماں قیامت بدل
که جسدن وه صاحب کریکا عدل

(٥٠) بعد از موتکي پهیر بخشیکا جاں
وهي دن کرو یاد اي موماں

(٥١) چهٹي صفت هیکي یه ایمان میں
تو نیکي بدي بوجه رحمان سیں

(٥٢) خدا راضي هوتا هیے نیکي مهیں
بدیکوں وه رب نیے قبولي نهیں

(٥٣) که پچهلي صفت پر سو لیاؤ یقیں
جو رهوي سلامت یه ایماں و دیں

(٥٤) موي پچهود اوٹهناں سو برحق اهيے
اري بندي کيوں کر تو غافل رهيے

(٥٥) يه ايماں کيے صفت هوئ تمام
سنو بعد اسکي سو دوجا کلام

(٥٦) بياں اب کرونميں فرائض نماز
مجي ديوي توفيق رب بے نياز

(٥٧) فرائض نماز کيے يه چوده سو سُن
که سات هيں شرائط تي سات هيں رکن

(٥٨) اول پاك جسا دوجي پاك جگه
تيجا فرض کپري تو سب پاك رکه

(٥٩) چوتها فرض هي يه نماز کيے بهيتر
که هي اپني عورتکون کرنا ستر

(٦٠) فرض پانچماں هي سو کرنيے نيت
چهٹا فرض هيکا پچهانو وقت

(٦١) فرض ساتماں هي سو قبله پچهان
يه ساتوں شرائط کيي ميں بيان

(٦٢) پهلا رکن هيکا نماز بيچ به
اوّل تو زبانسيں سو تکبير که

(٦٣) دوجا فرض تمکون سو رهنان کهڑا
قرأت هي سو پهڑني فرض تيسرا

(٦٤) چوتها فرض جانو رکوع کون سو تم
پچهون سجده کرنا هيے فرضي پنجم

(٦٥) چهٹي فرض اوپر سو راکهونگه
که بيهٹو سو آخر کي تم قاعده

(٦٦) فرض ساتمي پر سو لياؤ اعتبار
که فعل مصيلے سين آنان بهار

(٦٧) يه چوده نماز کي فرض جان تون
که ساتون شرط سات ارکان تون

(٦٨) وضو کيے فرائض تمون اب سنو
رکهو ياد انکون اري مومنو

(٦٩) فرض چهار هينکي طهارت منين
يه آيا هي قرآن کيے آيت منين

(٧٠) اوّل دهو تم مُنه کنين اس مثال
ٹهوريين که بهيکي پيشانيکي بال

(٧١) دوجا فرض جانو اسيے بات کون
کهني تك سو دهوؤ دونون هاتهه کون

(۷۲) تیجا فرض هیے سر کوں کرناں مسح
کتابونمیں لیائي هي چوتھا حصه

(۷۳) فرض چارماد هیں که دونوں سو پك
وي دھونیے تمونکوں سو ٹخنوں تلك

(۷٤) غسل کا بیان اب کروں نیز میں
فرائض غسل میں سو سه چیز هیں

(۷۵) اوّل غرغرا کر پاك پاني سیں
دوجا ڈال پاني سو توں ناك میں

(۷٦) تیجا فرض هیے ذات ساري مسل
جو ساقط هووي تیري سرسیں غسل

(۷۷) فرض اب تیمم کیے کھویں همیں
که هندي زباں بیچ سمجھو تمیں

(۷۸) اوّل پاك جا کیے کوں کرنیے طلب
دوجا فرض نیت کیتں بوجه اب

(۷۹) تیجا فرض هي هات ماربهوں اوپر
پھرا توں اوّل مرتبه موں اوپر

(۸۰) دوجي مرتبه بر زمیں مار هاتھه
مسح کر دو هاتھونکوں کھني کے ساتھه

(٨١) پچھوں ہیں فرض تین روزہ منیں
وہ چائے تمونکوں سنیے بوجنیے

(٨٢) اوّل وقت کا ہو نکھہ باں توں
دوجا فرض نیت سهي جاں توں

(٨٣) تیجا فرض هیے دنکوں مت پے نکھا
بهي هرگز نصحبت کیے نزدیك جا

دربیان کر سي گوید

(٨٤) کھوں میں نبي کیے سو اب کرسیاں
کتابونکي اندر جو چاروں لیاں

(٨٥) محمد بن عبداللہ هینکي مکر
پچھو مطلب ہیں کیے سو کرسیے دکر

(٨٦) تیجی هاشمي چوتھي عبدالمناف
یہ کرسیاں چاروں میں کھیاں سو صاف

(٨٧) سخن پھر کھوں ایك کر کر بچار
سنو مومناں اب سو مذهب چھار

دربیانِ مذهب چھار

(٨٨) کہ مذهب چھاروں هیں برحق سهي
حنیفہ سو اوّل دوجي شافعي

(۸۹) پچھوں مالکی کا سو تیجا کنو
چوتھا حنبلی ہے ایمؤمن سنو

(۹۰) ذکر یہ مسائل منیں یوں لیا
صلوۃِ مسعودی میں بیان جو کیا

(۹۱) اوسکی میں تمکوں سناؤں خبر
کہ مؤمنہ سو مرجاویے جسوقت پر

(۹۲) اگر جاوے ایمان سلامت ستی
وہ بوجھو تمیں سہ علامت ستی

(۹۳) پہلیے ہوے نشانیے یہ اوسکی مہاں
ہووے اوسکی انکھیوں نسیں پانیے رواں

(۹۴) بھی دوجی نشانیے یہ راکھو سو یاد
دونوں اسکی نکسوڑے ہوویں کشاد

(۹۵) تیجی بوجھو اسیں نشانیے بھی
کہ بھیکی عرق سیں پیشانیے سھی

(۹۶) یہ تینوں نشانیاں ہوویں جس بھتر
اونیے حق کیے درگاہ میں پایا اجر

(۹۷) بھی ایماں جسکا سلامت نہیں
نشانیے جو ہیں تین اسکی نہیں

(۹۸) اوّل یہ نشانیے کہ جب وي مریے
اوسیے وقت آواز خر کرا کري

(۹۹) دوجي یہ نشانیے دسي وقتِ موت
سیاہ اوسکي ہو جاویں دونوں سو ہونٹ

(۱۰۰) نشانیے یہي اسمیں بوجھو اخیر
کہ رنك اسکي جسیکا هووي تغیر

(۱۰۱) اوسي حالپر موت آوي جسیے
قیامت میں مشکل پڑیکي اوسیے

(۱۰۲) اري مؤمناں تم یہ مانکو دعا
کہ ایماں سلامت سیں لیجیں بلا

(۱۰۳) یہ ساري مسائل کیي میں تمام
ز برکت محمد نبي الکرامؐ

(۱۰٤) یہ ساري مسائل کوں بوجو تمیں
کہ بندکي تماري سو رب کوں کهیں

(۱۰٥) یہ بوجي بناں کچہ عمل نہیں روا
اري بندي بازیے میں مت دن کنوا

(۱۰٦) علم کیے طلب میں رهو روزوشب
تو پاؤ مراتب بهوت نزدیك رب

(۱۰۷) خدایا بخش سب مسلمان کون
کہ دنیا سیں لیجیں بایمان تون

(۱۰۸) کھی رحمت اللہ اي رب الرحیم
مجي دیں پر رکھہ سدا مستقیم

تمت بالخیر والحمدالله علی ذلك

[۵]

لفاظ کے معانی اور اُن کا جدید املا:

(۱) بولون = بولوں...... مین = میں ......کرون= کروں......ھندی = ہندی

(۲) میري = میری......دلجان = دل جاں......لکاؤ = لگاؤ......تمیں = تمھیں

(۳) اوسکوں = اس کو......ھي = ہے......بکہان = ...وي= وہ......بیمثل = بے مثل......ھور = اور......بیمکان = بے مکان

(۴) اوسکي = اس کی......بیچ = درمیان، میں......ھي = ہے

(۵) بندکي = بندگی......اوس= اس......بہي= سبھی......جسکي = جس کے......ھیں = ہیں......نبي = نبی

(۶) مجکوں = مجھ کو...... دیوي = دیوے ......اکر = اگر......اونکي = ان کی...... مکر= مگر

(۷) جکمیں = جگ میں......کون = کو......وہي = وہی

(۸) اونونکي = انھوں کی......لیاؤ = لاؤ......مین = میں

(۹) درودان = درود......اونون = ان...... پہوو= پڑھو...... لیجاویں = لے جائیں......اپني = اپنی......سنکات = ساتھ

(۱۰) کیے = کے......بولون = بولوں......ہویے = ہووے

(۱۱) بیان = بیاں ...... زبان = زباں ...... ہندوي = ہندوی ......سیں =
سے......بتیان = باتیں......لکہوں = لکھوں......مثنوي= مثنوی

(۱۲) کیے = کے......کہون = کہوں......مین = میں......کہتا = تا کہ......ہووي =
ہووے،ہو......مجکون = مجھ کو

(۱۳) دلونسیں= دلوں سے،دل سے......ہور = اور

(۱۴) وي = وے،وہ......بوجنئي = پوچھنے......کون = کو......بہائی = بھائی......
دلسین= دل سے...... میریے = میرے

(۱۵) آوین = آویں،آئیں......جیسے= جسے،جس کو......تمون= تم......هي = ہے
......سکہاؤ = سکھاؤ......اوسے = اُسے

(۱۶) لوکا = لڑکا...... لوکی = لڑکی......ہوویے = ہووے،ہو......نادانکي = نادانگی
......سیں = سے......وي = وے،وہ

(۱۷) پچہین= پوچھیں......کیے = کے...... پوچہن = پوچھن، پوچھنا......اونکون =
اُن کو...... بتاوین = بتائیں...... رہویے = رہے

(۱۸) وي = وے،وہ......زبانسین = زباں سے......کہن = کہنا...... بوجتي =
پوچھتے ......ھمن= ھم

(۱۹) اونکا = اُن کا......صحي = صحیح......منیں = میں......یونکر = یوں کریعنی اس طرح
......کہي = کہی

(۲۰) بہي = بھی ......کیے = کی ......هي = ہے......اونیے = اُن نے،انھوں نے
......وي = وے،وہ......درکہ = درگاہ...... منیے = میں

(۲۱) انونکي = اُن کی ...... بہی= بھی

(۲۲) کیي = کیے...... اونیے = انھوں نے...... وي = وے،وہ......ہوتیے =
ہوتے......بوجو = بوجھو

(۲۳) کرون = کروں......کتین = کے تئیں......سمجھاؤن = سمجھاؤں......ہریک =
ہرایک

(۲۴) کیے = کی......سناؤن = سناؤں......کتابونکی = کتابوں کے......وي = وے،
وہ......لکھئیں= لکھی

(۲۵) اوسمیں = اُس میں......ہیکی= ہے گی......یہي = یہی......بناں جیو= جی کے بغیر،
زندگی کے بنا......جیوتاھي = جیتا ہے......وھي = وہی

(۲۶) بہی = بھئی ...... دوجي = دوجی،دوسری ......ھي = ہے

(۲۷) تیسریے = تیسری...... وي = وے،وہ......اچھے = ہے......صفتونسیں =
صفتوں سے......اوسکوں = اُس کو...... پہچاانان = پہچانا

(۲۸) ھیے = ہے......شیے = شے،چیز......ہي = ہے......اسکي= اس کی

(۲۹) پانچي = پانچویں......سون = سوں، سے......وي = وے،وہ...... ہي =
ہے...... بن کانسون = بن کاں سوں،کان کے بغیر

(۳۰) چہتي = چھٹی......کون = کو......یونکر = یوں کریعنی اس طرح ......وي =
وے،وہ......دیکہتا = دیکھتا ...... ھي = ہے...... انکہیون = آنکھوں...... بنا
= بغیر

(۳۱) ساتي = ساتویں ...... یوہیں = یونہی ...... تہا = تھا...... اسکي= اُس کی
......وي = وے،وہ

(۳۲) میني = میں نے......پوري = پوری،مکمل،تمام......کیے = کي...... نیے =
نے......یہي= یہی......مجکوں = مجھ کو...... دي= دی

(۳۳) پہر = پھر......زبانسیں = زباں سے ......کھوں = کہوں......سانچہ= سانچ،سچ
......ري = رے......مسلمانیکی = مسلمانی کی......ہي = ہے...... بنا= بنیاد......
پانچہ = پانچ

(۳۴) کہوي = کہے.....پہل = پہلے.....ہوی = ہووے، ہو

(۳۵) اوسے = اسے، اسی ......سات=ساتھ...... نیں= نے

(۳۶) ہي = بھئی ...... دوجي = دوجی، دوسری ...... ہي = ہے.....تموپر = تم پر

(۳۷) دیو = دو.....پہر = پھر.....آپني = اپنے.....کیے = کی.....گذارو = گزارو..... تمیں = تمھیں..... ہي = بھی..... یکسال = یک سال

(۳۸) ایمانکي = ایمان کی.....ہي = ہے.....مجکوں = مجھ کو.....کہني = کہنے.....کیے = کی.....دیوي = دیوے، دے.....ھمت = ہمت

(۳۹) لیاؤ = لاؤ..... اوس = اُس.....ستیے = ستی، پر..... یے = بے.....ہي= ہے

(۴۰) جک = جگ ...... اوسکي= اُس کی.....کو = کوئی ......اوسکوں = اُس کو...... ماباپ = ماں باپ..... نین = نہیں..... ھیے = ہے

(۴۱) بھي = بھئی ...... لیاؤ = لاؤ ......فرشتونسیں = فرشتوں سیں، فرشتوں پر...... تمیں = تمھیں.....کیے = کے..... سیں = سے

(۴۲) اونوں = اُن.....فرشتي = فرشتے..... بڑي = بڑے..... چہار = چار...... اونونکي = اُنھوں کے، اُن کے..... ھیں = ہیں

(۴۳) کتابونسیں = کتابوں سے، کتابوں پہ.....لیاؤ = لاؤ.....سبي = سبھی.....نین = نے.....کیان = کی ہیں.....نبي = نبی

(۴۴) کیان = کیاں، کی ہیں.....بڑیان = بڑیاں، بڑی.....اوس = اس

(۴۵) تیجي = تیجی، تیسری.....ہي = ہے

(۴۶) پچھیں = پیچھے.....لیاؤ = لاؤ.....سبوں = سب سے.....پہل = پہلے...... کون = کوں، کو.....رتبا = رتبہ

(۴۷) نیں = ہے.....رسولونکوں = رسولوں کو.....کرنان = کرنا.....بعضیے = بعضے ......یک لاکہ = ایک لاکھ...... ھزار = ہزار

(۴۸) پیغمبري = پیغمبری.....سکي = سب کی.....توں = تو.....ھنکي = ہیں گے

(۴۹) لیاؤ = لاؤ.....بدل = بہ دل، دل میں.....جسدن = جس دن..... کریکا = کرے گا

(۵۰) موتکي = موت کے.....پہیر = پھر.....بخشیکا = بخشے گا.....وہي = وہی.....
ای= اے

(۵۱) چھٹي = چھٹی ..... ہیکی = ہے گی .....نیکي بدي = نیکی بدی.....بوجہ = بوجھ.....سیں = سے

(۵۲) راضي = راضی.....نیکي = نیکی.....مہیں = میں، سے، کی وجہ سے.....بدیکون = بدی کو.....نیے = نے.....قبولي = قبولے، مانے

(۵۳) پچہلي= پچھلی.....لیاؤ = لاؤ.....رھوي = رہوے، رہے

(۵۴) موي = موئے، مرنے.....پیچہوں = پچھوں، بعد.....اوٹھناں = اُٹھنا.....اچھے = ہے.....اري = ارے.....بندي = بندے.....رھیے = رہے

(۵۵) کیے = کی.....ہوئ = ہوئی.....اسکي= اس کے.....دوجا = دوسرا

(۵۶) کرونمیں = کروں میں..... مجي = مجھے .....دیوي = دیوے، دے

(۵۷) کیے = کے.....ھیں = ہیں.....تي = تے بمعنی اور

(۵۸) جیبا = جثہ، جسم، بدن.....دوجي = دوجی، دوسری.....جکہ = جگہ.....تیجا= تیسرا.....کپري= کپڑے.....رکہ = رکھ

(۵۹) چوتہا = چوتھا.....ھي = ہے.....کیے= کے.....بہتر = بہتر.....اپني= اپنی.....
عورتکون = عورت کو

(۶۰) پانچہاں = پانچواں.....ہي = ہے.....کرنیے= کرنی.....چہٹا= چھٹا.....ہیکا = ہے گا.....پچہانو = پہچانو

(۶۱) ساتماں = ساتواں ..... ھي = ہے ..... پچہان = پہچان.....کیي = کیے

(۶۲) ہیگا = ہےگا.....زبانسیں = زباں سے.....کہ = کہہ

(۶۳) تمکوں = تم کو.....رھنان = رہنا..... کھوا = کھڑا.....ہی = ہے.....

پہونی = پڑھنی

(۶۴) چوتہا = چوتھا.....کوں = کو.....پچھوں = پیچھے.....کرناں = کرنا.....ھیے = ہے.....فرضی = فرض

(۶۵) چہٹی = چھٹے.....راکہو = رکھو.....نگہ = نگاہ.....بیٹھو = بیٹھو.....کی = کی

(۶۶) ساتمی = ساتویں، ساتواں..... لیاؤ = لاؤ ..... مصیلے = ملی.....سیں = سے..... آنان = آنی

(۶۷) کی = کے

(۶۸) کیے = کے.....تمون = تم .....رکہو = رکھو.....انکون = ان کو.....اری = ارے

(۶۹) ھینکی = ہیں گے.....منیں = میں.....ھی = ہے.....کیے = کی

(۷۰) مُہ = منہ.....کنیں = کو.....ٹھوریسیں = تھوڑی سے .....بہکی = بھگیے ..... پیشانکی = پیشانی کے

(۷۱) دوجا = دوسرا ..... اسیے = اس .....کوں = کو.....کہنی = کہنی.....دہوؤ = دھوؤ.....ہاہتہ = ہاتھ

(۷۲) تیجا = تیسرا.....ھیے = ہے.....کوں = کو.....کرنان = کرنا.....کتابونمیں = کتابوں میں.....لیائی = لائے.....ھی = ہے.....چوتہا = چوتھا

(۷۳) وی = وے، وہ.....دھونیے = دھونے .....تمونکوں = تم کو.....ٹخنوں = ٹخنوں

(۷۴) کرون = کروں.....سہ = تین

(۷۵) پانی = پانی.....سیں = سے.....دوجا = دوسرا.....ذال = ڈال.....توں = تو

(۷۶) تیجا = تیسرا..... ھیے = ہے.....ذات = جسم.....ساری = ساری.....

مسل = مل.....هووي = هووے،ہو.....تیري = تیرے.....سیں = سے

(۷۷) کیے = کے.....کہوں= کہیں.....ھمیں = ہم.....ھندي = ہندی.....سمجو = سمجھو.....تمیں = تم

(۷۸) کیے = کے.....کوں = کو.....کرنے = کرنی.....کتیں= کی.....بوجہ= بوجھ

(۷۹) تیجا = تیسرا.....ہي = ہے.....ہات = ہاتھ.....بہوں = مٹی.....پہرا = پھرا.....توں = تو.....موں = منہ

(۸۰) دوجي = دوجی،دوسری.....بر = پر.....ہاتہہ = ہاتھ.....ہاتہونکوں = ہاتھوں کو.....کہني = کہنی .....کیے = کے .....ساتہہ = ساتھ

(۸۱) پچھوں = بعدازاں..... منیں = میں.....چائ = چاہیے.....تمونکوں = تم کو.....سنے = سے..... بوجہنے = بوجھنے

(۸۲) نگہہ بان = نگہبان.....توں = تو.....دوجا = دوسرا..... سہي = صحیح

(۸۳) تیجا = تیسرا..... ھیے = ہے.....دنکوں = دن کو.....پے = پی.....نکہا = نہ کھا.....بہي = بھی .....ھر = ہر..... کیے = کے

(۸۴) کہون = کہوں.....نبي = نبی.....کیے = کی.....کرسیان = کرسیاں ..... کتابونکي = کتابوں کے ..... لیان = لیا

(۸۵) ھینگي = ہیں گے.....مکر = مگر.....پچھو = بعد میں .....کیے = کے.....کرسے = کرسی.....دکر = دگر

(۸۶) تیجی = تیجے،تیسرے ..... ہاشمي = ہاشم .....چوتہي = چوتھے.....کہیان = کہی ہیں.....صاف = واضح

(۸۷) پہر = پھر.....کھوں = کہوں.....بچار = سوچ،غور

(۸۸) چہارون = چاروں.....سہي= صحیح.....حنفیہ =حنفیہ.....دوجي= دوجے،دوسرے

(۸۹) پچھوں = بعد میں..... مالکي = مالکی.....تیجا = تیسرا.....کنو = گنو..... چوتہا

= چوتھا..... حنبلي = حنبلی..... هي = ہے..... ایمؤمن = اے مومن

(۹۰) منیں = میں..... یون = یوں

(۹۱) اوسکي = اُسی کی ..... تمکوں = تم کو ..... جاویے = جاوے، جائے.....
جسوقت = جس وقت

(۹۲) جاوي - جاوے، جائے..... ستي = سے، ساتھ..... بوجہو = بوجھو..... تمیں= تم

(۹۳) پہلیے = پہلی..... ہوي = ہو..... نشانیے = نشانی..... اوسکي = اس کی
..... مہاں = بڑی..... ہووي = ہووے، ہو..... انکہیونسیں = آنکھوں سے.....
پانیے = پانی

(۹۴) ہي = بھئ..... دوجي = دوسری..... نشانیے = نشانی..... راکھو = رکھو.....
اسکي = اس کی..... نکسوڑی = نک سوڑی..... ہوویں = ہو..... کشاد = کھلی

(۹۵) تیجي = تیسری..... بوجو = بوجھو..... اسیں = اس سے..... نشانیے = نشانی.....
یہي = یہی..... بہیکي = بھیگی..... سیں = سے..... پیشانیے = پیشانی.....
سہي = صحیح

(۹۶) ہوویں = ہوں..... اونیے = اُن نے، انھوں نے ..... کیے= کی..... درکاہ=درگاہ

(۹۷) ہي = بھئ..... جسکا = جس کا..... نشانیے = نشانی..... اسکي = اس کی.....
مہیں = بڑی

(۹۸) نشانیے = نشانی..... وي = دے، وہ ..... مریے = مرے..... اوسیے = اُسے،
اُسی..... کري = کرے

(۹۹) دوجي = دوجی، دوسری..... داسي = نظرآئے..... اوسکي = اُس کے..... جاویں=
جائیں..... ہونٹ

(۱۰۰) یہي = یہی..... اسمیں = اس میں..... بوجہو = بوجھو..... رنک = رنگ.....
اسکي= اس کے..... جسیکا = جثے کا، جسم کا..... ہووي = ہووے، ہو

(۱۰۱) اوسي = اس،اسی...... حالپر = حال پر ......آوي = آوے، آئے......جیسے = جسے......پڑیکي = پڑے گی......اوسیے = اُسے

(۱۰۲) اري = ارے......مانگو = مانگو......سیں = سے......لیجیں = لے جائیں

(۱۰۳) ساري = سارے......کیي= کیے......نبي = نبی

(۱۰۴) کوں = کو...... بوجو = بوجھو......تمیں = تمھیں......بندکي = بندگی...... تماري = تمھاری

(۱۰۵) بوجي = بوجھے......بناں = بنا،بغیر......کچہ = کچھ ......اري = ارے...... بندي = بندے......ازیے = بازی......کنوا = گنوا

(۱۰۶) کیے = کی...... رھو = رہو ......بہوت = بہت

(۱۰۷) سیں = سے......لیجیں = لے جائیں......کون = کو......تون = تو

(۱۰۸) کھی = کہے......اي = اے......مجي = مجھے......رکہہ = رکھ

[۶]

یہ مثنوی ایک سو آٹھ (۱۰۸) اشعار پر مشتمل ہے۔ اِس میں چوالیس فقہی مسائل کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ شاعر نے مثنوی میں تین مرتبہ اپنی زبان کو ہندی/ ہندوی کہا ہے۔ مثنوی کے شعری اُسلوب پر پنجابی کا رنگ گہرا اور نمایاں ہے۔ اِس کی لسانی فضا میں پنجابی لفظوں کی بنت کاری دیدہ زیب ہے۔ بہت قدیم ہونے کے باوجود اِس کی زبان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ البتہ املاؔ کی روش، موجودہ دور میں مروّج طریقۂ املاؔ سے خاصی مختلف ہے۔

مثنوی کی ابتدا حمدیہ اشعار سے ہوتی ہے، جن کی تعداد چھے ہے۔ تین اشعار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی مدح و توصیف میں ہیں۔ تمہید پندرہ اشعار کو محیط ہے۔ مسائل اُنسٹھ (۵۹) اشعار میں بیان ہوئے ہیں۔ تئیس (۲۳) شعر دو عنوانات کے ذیل میں مرقوم ہیں، جبکہ آخری دو شعر دعائیہ ہیں۔

رواج کے مطابق مثنوی میں دیئے گئے عنوان فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ مثنوی بحرِ

متقارب محذوف رمکسور میں لکھی گئی ہے۔ مثنوی کے بعض مصرے ساقط الوزن ہیں۔ اگر اِن میں سے کچھ الفاظ کو قدیم روشِ املا کے برعکس موجودہ دور میں مروّج املا اور تلفظ کے مطابق پڑھا جائے، تو وہ مثنوی کے وزن پر پورا اُترتے ہیں۔

[۷]

بیاض کے صفحۂ اوّل پر بیاض کے مالک نے مجموعۂ رسائلِ فارسی و عربی لکھ رکھا ہے۔ بیاض کے زیادہ تر رسائل ناقص الاوّل اور آخر ہیں۔ البتہ رسائل کے مندرجات سے بعض رسالوں کے کوائف متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اِس بیاض میں تصوف کے بعض ایسے رسائل بھی موجود ہیں، جو اہلِ نظر کے لیے سامانِ دید لیے ہوئے ہیں۔ اِن میں بعض ایسی کتابوں کے اقتباسات اور حوالے آئے ہیں، جو اب گردشِ زمانہ سے ناپید ہوگئی ہیں۔

بیاض کے جامع اور مرتب نے، جو دواڑھائی سو سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، بیاض کی خالی جگہوں پر حاشیہ آرائی کی ہے۔ اُس کے یہ مطالعاتی افادات بذاتِ خود بہت اہمیت کے حامل ہیں اور اُس کی علم دوستی اور وسعتِ نظر کی غمازی کرتے ہیں۔ [تحقیق نامہ: مجلّہ شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، لاہور: شمارہ ۲: ۱۹۹۲ء۔۱۹۹۳ء]

حواشی اور حوالے:

(۱) اذکارِ ابرار (اردو ترجمہ گلزارِ ابرار: مرتبہ محمد غوثی شطاری): فضل احمد جیوری (مترجم): اسلامک فاؤنڈیشن، لاہور: ۱۹۷۵ء

(۲) یادِ ایام: مولانا سیّد عبدالحیٔ: مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج علی گڑھ: ۱۹۱۹ء: ص ۵۰۔۵۱

(۳) خزائنِ رحمت اللہ (قلمی): مخزونہ کُتب خانہ خاص، انجمنِ ترقیِ اُردو، کراچی: بحوالہ تاریخِ ادبِ اُردو (جلد اوّل): ڈاکٹر جمیل جالبی: مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور: ص ۱۰۶

(۴) پنجاب میں اُردو: حافظ محمود شیرانی: مکتبۂ معین الادب، لاہور: بارِ دوم ۱۹۴۹ء: ص ۲۰۷

(۵) شیخ عزیز اللہ المتوکل کے پانچ بیٹے تھے: شیخ سعد اللہ، شیخ رحمت اللہ، شیخ حسن سرمست، شیخ نصر اللہ اور شیخ شہر اللہ بحوالہ گلزارِ ابرار: محمد غوثی شطاری

(۶) اذکارِ ابرار: فضل احمد جیوری: اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور: باردوم ۱۹۷۵ء: ص ۲۰۴

خلاصۃ الفوائد:

سلسلۂ چشت کا ایک اہم مجموعۂ ملفوظات

[۱]

خلاصۃ الفوائد قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ملفوظاتِ گرامی کا مجموعہ(۱) ہے۔ اس دُرِ بے بہا کے مرتب اور جامع قاضی محمد عمر حکیم سیت پوری ہیں، جو حضور قبلۂ عالم کے دامن گرفتہ اور فیض یافتہ تھے۔(۲) وہ قبلۂ عالم کی بابرکت مجالس میں حاضر رہے اور ملفوظات کی جمع آوری کو اپنے لیے باعثِ خیر و برکت خیال کرتے ہوئے اُن کی ترتیب و تہذیب میں مگن رہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

"ملفوظاتِ آنحضرت کہ ایں عاجز رو برو باستماعِ آن سرفراز شدہ و بقدرِ فہمِ خود بقیدِ قلم آوردہ، چہ یارا کہ مضمونِ کلامِ شریف ازین بی مقدار نحیف بعینہٖ ادا کرد و بلکہ بعضی الفاظ را مدعاھم نہ فہمیدہ ام، اماحتی المقدور خود در ترکِ افراط و تفریط کوشیدہ، لفظ بہ لفظ نوشتہ ام کہ شاید صاحبِ مطالعہ اہلِ نسبت باشد و بہ مقتضای رب مبلغ من سامع مدعا حاصل نماید"۔(۳)

[۲]

خلاصۃ الفوائد اصلاً فارسی میں ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ البتہ اِس کا اُردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔ ترجمہ نگار محمد بشیر اختر ہیں۔ ایک سو سولہ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ استقلال پریس، لاہور سے اشاعت پذیر ہوا۔ کتاب پر سنۂ اشاعت درج نہیں، جس سے معلوم ہوتا کہ یہ ترجمہ(۴) کب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا؟

خلاصۃ الفوائد کا پیشِ نظر مخطوطہ ۵۵ برگ پر مشتمل ہے اور ۱۲۹۴ھ کا مرقومہ ہے۔ مخطوطے کے مالک یا کسی قاری نے اس پر صفحات نمبر بھی لگا دیے ہیں۔ یوں اب یہ نسخہ ۱۰۹ صفحات پر مشتمل

ہے۔ یہ قلمی نسخہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی (مالک کتب خانۂ چشتیہ فاروقیہ، چشتیاں شریف) کا مملوکہ ہے۔(۵) اِس نسخے کے کاتب امام بخش مہاروی(۶) ولد حافظ غلام فرید مہاروی(۷) ہیں۔ اُنھوں نے اس مجموعے کے ترقیمے میں لکھا ہے کہ:

"احقر العباد الراجی الی رحمۃ اللہ فعال لمایرید امام بخش بن حضرت حافظ غلام فرید غفر اللہ لہ ولوالدیہ والاستادیہ والمشائخیہ والسائر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والاحیامنھم والاموات بتاریخ سوم ماہِ صیام درسنۂ یاٹ ہزار دو صدنود دو چھار صورت اختتام یافت"۔(۸)

[۳]

خلاصۃ الفوائد کا یہ مخطوطہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ بابِ اوّل کی دو فصلیں ہیں۔ فصلِ اوّل قبلۂ عالم کے اُن ملفوظاتِ گرامی کا احاطہ کرتی ہے، جن کی سماعت خود فاضل مؤلف نے کی۔ اس حصے میں ۹۷ مجالس کی روداد شامل ہے۔ اِن ملفوظات کی جمع آوری کا سلسلہ کس سنہ میں آغاز ہوا، مرتب نے کہیں بھی اِس راز سے پردہ نہیں اُٹھایا اور نہ ہی اِس مجموعے سے کہیں یہ اشارہ ملا کہ گل چینی کا یہ عمل کب تک جاری رہا؟ خلاصۃ الفوائد دن، تاریخ اور سنہ کے تعین سے بھی محروم ہے۔ لے دے کر ایک تاریخی واقعہ نظر پڑتا ہے کہ جب مجلس میں، فخرِ جہاں فخر الدین محمد دہلویؒ کے انتقال کی خبر ملی، تو مرتب نے بتایا کہ وہ بھی اُس مجلسِ ملال میں موجود تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"حاضر بودم۔ از وقوع این واقعہ بر حاضرین مجلس شریف گزشت آنچہ گزشت"۔(۹)

بہ اعتبارِ ترتیب یہ اس مجموعے کی پہلی مجلس ہے۔ اگر اِس مجموعے میں شامل تمام مجالس زمانی ترتیب سے مرتب ہوئی ہیں، تو کہا جاسکتا ہے کہ ان ملفوظات کی ترتیب وتہذیب کا کام ۱۱۹۹ھ میں شروع ہوا۔ اِس تاریخی منظر نامے کے ساتھ اگر کسی دوسرے تاریخی واقعے کا تعین کیا جا سکتا ہے، تو وہ خواجہ نور محمد نارووالہ کے سانحۂ ارتحال سے متعلق ہے۔ اِن کے سوا اِن مجالس میں کسی اور ایسے تاریخی منظر کی تصویر کشی نہیں کی گئی، جس سے سنہ وسال کا تعین ممکن ہو سکے۔ البتہ ماہ وسال

کی عدمِ تعیین کے باوجود اکثر مجالس میں وقت کی تحدید ملتی ہے۔ مثلاً: شمی، روزی، وقتِ ظہر، بعد نمازِ عشاٗ وغیرہ۔

[۴]

بابِ اوّل کی فصلِ دوم اُن مسائل کو محیط ہے، جو حضور قبلۂ عالم و عالمیان کی مجالس میں زیرِ بحث آئے۔ جامعِ ملفوظات نے مختلف کتب سے وہ عربی عبارات بھی نقل کی ہیں، جنھیں دورانِ گفتگو قبلۂ عالم نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا۔ مؤلف نے نہ صرف اُن اقتباسات کو من و عن درج کیا ہے، بلکہ اُن کا فارسی میں خلاصہ بھی لکھ دیا ہے، تا کہ عربی سے نا آشنا قاری بھی اُن مسائل کے مالہ و ماعلیہ سے بہ خوبی آگاہ ہو سکے۔ یہ فصل آٹھ فوائد کو محیط ہے۔ اُن میں جو مسائل زیرِ بحث آئے ہیں، اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) سجدۂ تلاوت کی ادائی میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ

(۲) مسئلۂ اعتکاف کے بیان میں

(۳) مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث (خلق الله آدم علی صورته) کے بیان میں

(۴) تفسیرِ نفرہ کار کے حوالے سے ایک محبت بھری حکایت

(۵) حضرت یوسفؑ اور حضرت زلیخاؒ کے حوالے سے نہایت ہی عارفانہ گفتگو

(۶) رویتِ باری تعالیٰ

اِسی طرح اِن مسائل کی تشریح و توضیح کے لیے جو کتابیں مذکور ہیں یا جن کے اقتباسات نقل ہوئے، اُن کے نام یہ ہیں: حاشیہ شرحِ وقایہ، تسنیم، مشکوٰۃ شریف، تفسیرِ نفرہ کار۔

دوسرا باب اُن پانچ ملفوظات پر مشتمل ہے، جو مؤلف نے قبلۂ عالم کے تین خُدام سے روایت کیے ہیں۔ جن محافل میں یہ ملفوظات بیان ہوئے، اُن میں مؤلف رمرتب تشریف فرما نہیں تھے۔ ملفوظِ اوّل کے راوی قبلۂ عالم کے خلیفہ خواجہ نور محمد نارووالہ ہیں۔ تین ملفوظات (دو تا چار) کے جامع حافظ محمد جمال اللہ ملتانی ہیں۔ مؤلفِ خلاصۃ الفوائد نے یہ ملفوظات اُن کی کسی بیاض سے نقل کیے ہیں، جبکہ پانچواں اور آخری ملفوظ حافظ یار محمد داوٗد جال کی روایت سے صورت پذیر ہوا ہے۔

[۵]

خلاصۃ الفوائد گنجینۂ عرفان کا اشاریہ اور خزینۂ معانی کا اظہاریہ ہے۔ اس کی زبان شستہ اور رواں دواں ہے۔ مرتب نے حضور قبلۂ عالم کی گل افشانیٔ گفتار کی عکس گری میں اپنے حسنِ قلم کا جادو جگایا ہے۔ قبلۂ عالم اُن مجالس میں فارسی میں گفتگو فرماتے تھے، جیسا کہ مرتب نے لکھا ہے کہ: "لفظ بہ لفظ نوشتہ ام"۔ (۱۰) جامع ملفوظات نے گفتگو کے جمالیاتی آہنگ کو محفوظ کرنے کا جو جتن کیا ہے، وہ قابلِ داد ہے۔ اس ملفوظاتی مجموعے کا آغاز اُداسی کی فضا میں ہوتا ہے، مگر مجموعی طور پر اس میں زندگی کے رنگ اور رس کی پھوار پڑ رہی ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے صوفیہ کی گوہر افشانی کے جو رنگارنگ مناظر: فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیا میں دکھائی دیتے ہیں، اُن کی آب و تاب سے خلاصۃ الفوائد بھی محروم نہیں۔ اس میں تخلیقی طرزِ احساس کی جلوہ گری بھی ہے اور تمدنی حسنِ خیال کی نمود بھی ..... اور یہی طرزِ احساس اور تمدنی مزاج زندگی کی معنویت سے عبارت ہے۔

سلسلۂ چشتیہ کے دیگر صوفیہ کی طرح حضور قبلۂ عالم نے بھی اپنی مجالس میں اپنے مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف حکایات اور نکات بیان فرمائے ہیں۔ چشت کے ملفوظاتی ادب میں یہ کتاب بعض حوالوں سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ خاص طور پر اس میں چشت کے طبقۂ متاخرین کے صوفیہ کے احوال و آثار کا تذکرہ نہایت ہی محققانہ انداز میں ہوا ہے۔

[۶]

خلاصۃ الفوائد کا معتد بہ حصہ فخرِ جہاں فخر الدین محمد دہلویؒ کے احوال پر مشتمل ہے۔ اکثر مجالس میں اُن کی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کو بیان کیا گیا ہے، جو طالبانِ حق کے لیے فیضِ سرمدی کا حکم رکھتا ہے۔ اس مجموعے میں بیان کی گئی بعض حکایات تو دیگر کتابوں میں بھی ملتی ہیں، لیکن اکثر واقعات پہلی بار اِس مجموعے کے تناظر میں عکس انداز ہوئے ہیں۔ خاص طور پر وہ واقعات یا احوال، جن کا براہِ راست تعلق حضور قبلۂ عالم اور فخرِ جہاں غریب نواز کے معمولات سے ہے، کہیں اور نظر نواز نہیں ہوتے۔ اِن واقعات میں فخرِ جہاں غریب نواز کے درس و تدریس کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور اُن کے بعض اسفار کی تفصیل بھی۔ مثال کے طور پر فخرِ جہاں غریب نواز نے دہلی سے پاک پتن کا جو سفر کیا، قبلۂ عالم بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہ سفر ۱۴۔ ذی قعدہ کو آغاز ہوا اور

جب وہ پاک پتن میں وارد ہوئے، تو اُس روز محرم کی پہلی تاریخ تھی، گویا کہ یہ سفر سینتالیس ۴۷ (یا رویتِ ہلال کی وجہ سے ۴۵ یا ۴۶) دنوں میں طے ہوا۔ اُس سفر کے دوران میں وہ چار راتیں متواتر پانی پت میں اور آٹھ راتیں لاہور میں جلوہ آرا رہے۔ بقیہ روز و شب دہلی اور پاک پتن کے مابین سفر میں گزرے۔ اُنھوں نے یہ سفر پیادہ پا انجام دیا اور پاک پتن میں برہنہ پا داخل ہوئے۔ وہ یہاں دو ماہ اور گیارہ دن جلوہ افروز رہے اور پھر دہلی کی طرف مراجعت فرمائی۔

[۷]

چشتیہ سلسلے کی تاریخ اور روایت کے محققِ اجل پروفیسر خلیق احمد نظامی (م ۱۹۹۷ء) نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں فخرِ جہاں غریب نواز اور قبلۂ عالم کے احوال و آثار کی تحریر و تسوید میں خلاصۃ الفوائد کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔ حالانکہ اس باب میں اس مجموعے کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس مجموعے کی عدم دستیابی کے باعث اُن سے بعض اہم اور بنیادی امور نظر انداز ہو گئے۔ فخرِ جہاں کی شفقت اور کرم فرمائی، جو قبلۂ عالم کے حال پر تھی، اُس کا اظہار اتنی عمدگی کے ساتھ کسی دوسرے ماخذ میں نہیں ملتا، جس قدر شرح و بسط کے ساتھ اِس مجموعے میں آیا ہے۔

حضور قبلۂ عالم پہلی بار قلندر بخش نامی ایک طالب علم کے ہمراہ مولانا کی زیارت کے لیے اُن کی حویلی میں حاضر ہوئے، مگر غریب نواز کی عدم موجودگی کی وجہ سے واپس آ گئے۔ اگلے روز ظہر کے وقت قبلۂ عالم تنہا ہی اُن کی زیارت اور قدم بوسی کے لیے اُن کے آستانے پر جا پہنچے۔ حضور قبلۂ عالم کا فرمان ہے:

> "وقتِ ظهر تنها بخدمت رفتم۔ چون بردرِ حویلی شریف رسیدم۔ یکی دربان هم نشته بود۔ بخاطر اندیشیدم که نامحرمم، چگونه روم؟ لیکن آدمان بی تحاشا بسیار آمدورفت می داشتند۔ ماهم پیشترشدم۔ اندرونِ حویلی دیگر دروازه بود۔ مقابلِ آن دروازه یك دالانی بود که دران خود بدولت حضرت مولوی صاحب رضی الله تعالیٰ عنه برتخت پوش که چاندنی سفید برآن گسترده و تکیه کلان نهاده نشسته اندومرا یك

شکر شده حرکتی و یک چادر و دو موی سر نیز کلان، این تسلط دیده متفکر شده که بخدمت این پیرزاده خدا کند که کسی صورت خواندن میسر شده در جست شده مقابل دروازه استاده بود نظر مبارک حضرت بر من افتاده شده بیش تر طلبیدند۔ چون نزدیک رسیده خود بدولت برخاسته از تخت پوش فرود آمده به تعظیم تمام فقیر را نحوی بمعانقه سرفراز فرمودند که گویا یاران قدیم از مدت خدامانده بیک دیگر بغلگیری می کنندو دست فقیر گرفته بر تخت پوش نزدیک خویش نشاندند و تفحص فرمودند که: متوطن کجائی؟ بنده عرض کرد که: نواحی پاکپتن۔ فرمودند: از اولادِ بابا صاحب هستی؟ بنده عرض کرد که: خیر، لیکن از شنیدن نام شهرِ پاکپتن بسیار خورسند و خوشحال شد۔ فرمودند که: درین چرا آمده ای؟ عرض داشتم که شنیده ام که آنحضرت تعلیم خوانیدن می فرمایند۔ لهذا اُمیدوار شده آمده ام۔ فرمودند که: سابق کجا می خوانی؟ عرض داشتم که: بخدمتِ میاں برخوردار جیو۔ فرمودند که: خوانانیدنِ ما ازمدت موقوف است۔ باید که حال هم سبق بخدمتِ اوشان خوانده، باز نزدیکِ این جانب تکرار می کرده باشید۔ گفتم که: عرصه مابینِ مکانین بسیار است و مسافت بعید، وقتِ ما درین آمدورفت ضائع خواهدشد و خود بدولت تبسم نموده همیں بیت خواندند: مابرای وصل کردن آمدیم ....نی برای فصل کردن آمدیم"۔(۱۱)

جب قبلۂ عالم پہلی بار اُس بارگاہِ عرش مقام میں حاضر ہوئے، تو فخرِ جہاں غریب نواز کو دکن سے دہلی آئے ہوئے ایک روایت کے مطابق: تین مہینے اور دوسری روایت کے مطابق چھے مہینے ہوچکے تھے۔ قبلۂ عالم کی آمد کے دن اُن کے آستانے پر حضرت سلطان التارکین مولانا حمید الدین ناگوریؒ کا عرس منایا جارہا تھا۔ دہلی میں فخرِ جہاں غریب نواز سے جس خوش بخت نے سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کیا، وہ قبلۂ عالم کی ذاتِ گرامی تھی۔ خلاصة الفوائد میں آتا ہے:

"وقتِ نزولِ آنحضرت در دهلی اولاً بنده بخدمت

[illegible] ۔(۱۲)

یہ سن ۱۱۶۴ھ کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ خلاصۃ الفوائد کے دو فوائد میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ایک مجلس میں حافظ محمد جمال اللہ ملتانی نے عرض کیا کہ: مولانا سے بیعت ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟ قبلۂ عالم نے فرمایا: سی و پنج سال۔ پیش نظر مخطوطے میں سی و چہار سال | برگ ۱۵ | ب۔ (۱۳) یہ کاتب کا تصرف / سہو معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک دوسرے ملفوظ | برگ ۱۷ | میں قبلۂ عالم نے سی و پنج سال ارشاد فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔ یہ محفل ۱۱۹۹ھ میں منعقد ہوئی، جو فخر جہاں کا سنہ وصال ہے۔

[۸]

مقدمہ ملفوظات کے مؤلف پروفیسر نثار احمد فاروقی (م ۲۰۰۴ء) نے اپنی اس کتاب میں خلاصۃ الفوائد کے حوالے سے سات اقتباسات نقل کیے ہیں (۱۴)، لیکن اُن میں سے کوئی ایک اقتباس بھی خلاصۃ الفوائد کے پیشِ نظر مخطوطے میں موجود نہیں۔ اسی طرح اُن کا گزر محمد بشیر اختر کے مترجمہ مجموعے میں بھی نہیں ہوا۔ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں اپنے مملوکہ خلاصۃ الفوائد کے ایک ناقص قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی صراحت نہیں فرمائی کہ یہ اقتباسات اُنھوں نے اس ناقص نسخے سے نقل کیے ہیں، یا اُن کے پیشِ نظر کوئی دوسرا نسخہ رہا ہے۔ بہر حال جو بھی ہے، یہ اقتباسات خلاصۃ الفوائد کے نہیں، کیونکہ ہمارے پیشِ نظر مخطوطہ:

(۱) ہر لحاظ سے مکمل ہے۔

(۲) اس کے کاتب امام بخش مہاروی قبلۂ عالمؒ کے خانوادے کے گلِ سر سبد ہیں۔ اُنھوں نے خلاصۃ الفوائد کا پیشِ نظر نسخہ جس مخطوطے سے نقل کیا ہے، وہ یقیناً مکمل رہا ہوگا۔

(۳) مولوی امام بخش مہاروی محض کاتب ہی نہیں، گلشنِ ابرار اور مخزنِ چشت جیسی محققانہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اُنھوں نے اِن کتابوں کی تحریر و تسوید میں بھی جا بجا خلاصۃ الفوائد سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ خلاصۃ الفوائد سے اُن کے منتخبات پیشِ نظر مخطوطے میں موجود ہیں، لیکن پروفیسر صاحب کے نقل کردہ کسی بھی اقتباس، یا اُن اقتباسات کا کوئی ٹکڑا اندکور نہیں۔

(۴) تکملہ سیر الاولیأ کے مؤلف خواجہ گل محمد احمد پوری نے بھی اپنے تذکرے میں خلاصۃ الفوائد کے جو اقتباسات نقل کیے ہیں، وہ بہ تمام و کمال اِس مخطوطے میں موجود ہیں۔

(۵) مناقب المحبوبین کے مؤلف مولوی نجم الدین سلیمانی نے بھی اپنی کتاب میں خلاصۃ الفوائد سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اُس میں بھی جا بجا اِس مجموعۂ ملفوظات کے اقتباسات نقل ہوئے ہیں، جو سب کے سب اِس مخطوطے میں موجود ہیں، مگر نقدِ ملفوظات میں مندرج واقعات کا یہاں بھی گزر نہیں۔

(۶) محمد بشیر اختر (مترجم: خلاصۃ الفوائد) کے پاس جو نسخہ رہا ہے، وہ ۱۲۷۷ھ کا نوشتہ تھا۔ اُنھوں نے اُسی نسخے کو ترجمے کی بنیاد بنایا۔ پیشِ نظر مخطوطے اور مترجمہ نسخے میں اُس کی ترتیب و تہذیب کے ضمن میں کسی نوعیت کی کوئی کمی بیشی نہیں پائی جاتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب کا مخزونہ نسخہ نہ صرف ناقص الاوّل و آخر ہوگا، بلکہ امکان ہے کہ وہ خلاصۃ الفوائد کے بجائے کوئی دوسرا مجموعۂ ملفوظات ہو اور اُس میں خلاصۃ الفوائد کے حوالے آئے ہوں، جن کی بنا پر پروفیسر موصوف کو اشتباہ ہوا ہو۔ [دریافت: مجلہ شعبۂ اردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد: ۲۰۱۰ء]

حوالے اور حواشی:

(۱) قاضی محمد عمر حکیم رقمطراز ہیں کہ:

"می گوید اضعف عباد الله القوی الکریم المشهور به قاضی محمد عمر حکیم که این چند ملفوظ از زبانِ گوهر فشان هدایت ترجمان بندگی حضرت شیخ المشائخ غیاث العاشقین سند الواصلین منبع انوار الصمد مظهرِ اسرارِ احد شیخ الاسلام نور الحق والدین مولانا و سیدنا و شیخنا حضرت نور محمد رضی الله تعالیٰ عنه جمع نموده به خلاصة الفوائد موسوم ساخته"۔ [خلاصۃ الفوائد (قلمی): برگ ۱۔۲]

(۲) پروفیسر افتخار احمد چشتی نے لکھا ہے کہ:

"......مولوی محمد عمر سید پوری [؟] خلاصۃ الفوائد میں اِس ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ: میں

نے اپنے پیرومرشد حضرت مولانا نور محمد نارووالہ صاحب سے پوچھا کہ: حضرت قبلۂ عالم اکثر اوقات ہر آنے والے شخص سے گفتگو میں متوجہ ہو جاتے تھے اور کسی سے انحراف نہیں کرتے تھے"۔ [حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی : احوال و مناقب: چشتیہ اکادمی، فیصل آباد: ۱۹۹۲ء: ص ۱۸۴]

چشتی صاحب نے مولوی محمد عمر حکیم کو سید پوری کہا ہے اور اُنھیں مولانا نور محمد نارووالہ کا مرید لکھا ہے۔ یہ دونوں بیانات درست نہیں۔ مولوی صاحب سیت پور کے متوطن تھے اور قبلۂ عالم کے حلقہ بگوش تھے۔ مولوی محمد عمر حکیم نے خلاصة الفوائد میں مولانا نارووالہ کے لیے پیرومرشد کے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں۔ اُن کے الفاظ میں:

"این بندہ در خدمتِ سراپا مرحمت حضرت خلیفه صاحب میاں نور محمد نارووالہ عرض نمود کہ حضرت قبلۂ عالمؒ بهر کس آینده در گفتگو متوجه می باشند، انحراف نمی فرمایند"۔ [خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۲۳]

(۳) خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۲

(۴) ترجمہ نگار کے پیشِ نظر خلاصة الفوائد کا جو مجموعہ رہا، وہ ۱۲۷۷ھ کا نوشتہ تھا۔ اُنھوں نے دیباچے میں لکھا ہے کہ: اس نسخے کو لکھے ہوئے ۱۰۵ سال (ص ۱۲) گزر چکے ہیں۔ اس حساب سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ ۱۳۸۲ھ بمطابق ۶۱-۱۹۶۰ء میں طبع ہوا ہوگا۔

(۵) پیر محمد اجمل چشتی صاحب کے کتب خانے کے اس گوہر کم یاب کی عکسی نقل مجھے برادرِ عزیز و مکرم شہزاد اختر بیگ (لیکچرار گورنمنٹ کالج، چشتیاں شریف) کی کرم فرمائی سے میسر آئی۔

(۶) امام بخش مہاروی ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ خواجہ خُدا بخش خیر پوری کے مرید تھے۔ اُنھوں نے مخزنِ چشت کے آخر میں اپنے تفصیلی احوال قلم بند کیے ہیں۔ [رک: مخزنِ چشت: خواجہ امام بخش مہاروی / پروفیسر افتخار احمد چشتی (مترجم): چشتیہ اکادمی، فیصل آباد: ۱۹۸۹ء: ص ۴۵۵ تا ۴۶۴]

(۷) حافظ غلام فرید ولد خواجہ نور احمد، حضور قبلۂ عالم کے پوتے تھے۔

(۸) خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۵۵

(۹) خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۳

(۱۰) خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۲

(۱۱) خلاصة الفوائد (قلمی): برگ ۱۰-۱۱

(۱۲) خلاصۃ الفوائد (قلمی) برگ ۱۵

(۱۳) نواب غازی الدین نے دہلی میں فخر جہاں کے ورودِ مسعود کا تذکرہ یوں کیا ہے:

سال ... کہ فرخ و میمون | شصت و پنج و ہزار صد افزون
فخر دین ... قدوہ سعد و سعید | دہلی کہنہ را ... بخشید
... گل و ... وطن | گشت دہلی چو جسم ما روشن

پہلے شعر کے مصرع دوم میں انھوں نے بھی ۱۱۶۵ھ کو سال ورود قرار دیا ہے۔ مخزن چشت اور ... میں اس مصرع کا جو متن دیا گیا ہے (شصت و دو ......) اس سے ۱۱۶۲ھ کا سنہ استخراج ہوتا ہے۔ لیکن مثنوی کی یہ دونوں روایتیں درست نہیں۔ مولوی محمد عمر حکیم نے لکھا ہے

"قبلۂ عالم ... رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودند کہ: تو سال بندہ را بخدمت حضرت مولانا صاحب قبلہ قدس سرہ ... پنج سال است ......"۔[خلاصۃ الفوائد (قلمی) برگ ۱۱]

(۱۴) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۷۵ تا ۷۹...... پروفیسر افتخار احمد چشتی نے بھی حضور قبلۂ عالم کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقدِ ملفوظات کے ان سات اقتباسات میں سے پانچ نقل کیے ہیں۔ ان کی بھی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوئی کہ یہ اقتباس خلاصۃ الفوائد کے نہیں، کسی دوسرے مجموعۂ ملفوظات سے ماخوذ ہیں۔ [رک۔ حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی: احوال و مناقب، ص ۲۰۸۔۲۰۹]

اضافہ:

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنی کتاب نقدِ ملفوظات میں جن سات اقتباسات کو خلاصۃ الفوائد کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ نافع السالکین (ملفوظاتِ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز، مؤلفہ امام الدین) کے ہیں۔ یہ مجموعۂ ملفوظات، فارسی میں ہے اور دو بار چھپ چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین للہی نے اس مجموعے کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

خلاصۃ الفوائد :

نوخطی نسخوں کا تعارفی مطالعہ

[ا]

خلاصۃ الفوائد (۱) قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) کی گل افشانی گفتار کا خوب صورت مرقّع ہے۔ اس گنجینۂ معانی کی طلسماتی اپیل زندگی کی رنگا رنگی کا اظہار یہ بھی ہے اور تخلیقی طرزِ احساس کی بوقلمونی کا اشاریہ بھی۔ اِس مجموعے کی ملفوظاتی فضا اپنے معنوی اور فکری مدار کو رنگ اور خوشبو کی تہذیبی اور متصوفانہ زندگی کی ہمہ گیری اور ہمہ رنگی کا ایسا آہنگ عطا کرتی ہے، جو روشنی اور نور کا استعارہ ہے۔

خلاصۃ الفوائد میں قبلۂ عالم غریب نواز کی گوہر افشانی کی بہار دیدنی ہے۔ اِس کے مرتّب اور جامع قاضی محمد عمر حکیم نے اِن مجالس کی معنوی فضا کی عکس اندازی میں اپنے وجدانی اور مکاشفاتی رویوں کی جمالیات کا ایسا جادو جگایا ہے، جو بقائے دوام کے دربار میں اُن کی رعنائیِ خیال کی تاب ناکی کا آئینہ دار بھی ہے اور اُن کی حیاتِ جاوداں پر گواہ بھی۔ جامعِ ملفوظات، قبلۂ عالم غریب نواز کی عقیدت اور ارادت کیشی کے سلسلۂ خوش آثار میں غلامی کی مسند پر فروکش تھے۔ اگرچہ بعض تذکرہ نگاروں نے اُنھیں قبلۂ عالم کے بجائے خواجہ نور محمد نارووالہ (م ۱۲۰۳ھ) کا مرید لکھا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ خلاصۃ الفوائد میں جہاں کہیں بھی خواجہ نارووالہ کا ذکرِ خیر آیا ہے، مرتّبِ ملفوظات نے اُنھیں اپنا پیرو مرشد لکھنے کے بجائے خلیفہ صاحب کے عمومی لقب سے یاد کیا ہے، جو اِس بات کا غماز ہے کہ قاضی محمد عمر حکیم، قبلۂ عالم غریب نواز کے دامن گرفتہ تھے۔ اِسی طرح خیر الاذکار کے مؤلف مولوی محمد گھلوی نے لکھا ہے کہ:

"روزی کہ قاضی موصوف [محمد عمر حکیم] حضرت قبلۂ

من قدس سرہ را ضعف تمام دید، چشم تر کردہ عرض نمود کہ: او تعالیٰ بہ کرمِ خویش آن ذات راشفایِ کلی عطا فرماید"۔ (۲)

راقم نے اِس اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''مولوی محمد گھلوی نے 'قبلۂ من' کہہ کر اس اُفق پر پڑی دھند کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اگر قاضی صاحب خواجہ نارووالہ کے دائرۂ ارادت میں سُفتہ ہوتے، تو مولوی گھلوی اپنے شیخ کو 'قبلۂ من' کہہ کر اُن کا تذکرہ نہ کرتے، جبکہ مخاطبین میں قاضی صاحب بھی شریک تھے۔ لازم تھا کہ خواجہ صاحب کا ذکر 'قبلۂ ما' کہہ کر کیا جاتا۔ ویسے احسن صورت تو 'شیخِ خود' کی ترکیب سے صورت پذیر ہوتی''۔ (۳)

[۲]

خلاصۃ الفوائد اصلاً فارسی میں ہے اور اِسے ابھی تک اشاعت کی روشنی میسر نہیں آئی۔ راقم اِس کا تنقیدی متن مرتب کر رہا ہے، جو اختلافاتِ نسخ اور تعلیقات و حواشی کی تزئین اور تہذیب کے ساتھ امسال کتابی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ قبل ازیں ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر معین نظامی کی نگرانی میں ایم اے فارسی کی ایک طالبہ نائلہ نذر اعوان نے پنجاب یونی ورسٹی کے مخزونہ دو نسخوں کی مدد سے اِس کا ایک متن مرتب کیا تھا، جو اسکالر کی محنت اور نگرانِ کار کی معینی اور رہبری کا عمدہ مرقع ہے۔ بعدازاں ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی سرپرستی میں گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور کے ایک اسکالر محمد فرید نے ایم فل (فارسی) کی جزوی تکمیل کے لیے اِس کے متن کی ترتیب و تہذیب کی۔ اُن کے پیشِ نظر پنجاب یونیورسٹی کے ایک مخزونہ نسخے کے علاوہ پیر محمد اجمل چشتی کے کتب خانے کا ایک نسخہ بھی رہا ہے۔

[۳]

خلاصۃ الفوائد کے تین ترجمے بھی ہو چکے ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(الف) مولوی اللہ بخش رضا نے خلاصۃ الفوائد کا جو ترجمہ کیا ہے، وہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

اُن کے پیشِ نظر غلام فخر الدین تونسوی کا مکتوبہ (۱۳۲۴ھ) نسخہ رہا ہے۔ اِس ترجمے پر مولانا انجم صدیقی اور ڈاکٹر معین نظامی نے نظرِ ثانی بھی کی ہے، جس سے اِس کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

(ب) پروفیسر نثار احمد فاروقی کا ترجمہ ماہ نامہ منادی، دہلی میں قسط وار اشاعت پذیر ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ کتابی صورت میں جلوہ گر ہوا، یا ہنوز محرمِ حُسن کو ترستا ہے۔

(ج) محمد بشیر اختر کا ترجمہ استقلال پریس، لاہور سے چھپا تھا۔ اُنھوں نے جس نسخے سے ترجمہ کیا، وہ ۱۲۷۷ھ کا نوشتہ تھا۔ وہ نسخہ اُن کا مخزونہ تھا یا کسی کُتب خانے کی ملکیت، وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ سنہٴ کتابت کے علاوہ ہمیں اُس نسخے کے مالہ و ما علیہ کا کچھ علم نہیں۔ وہ نسخہ اب کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں۔ اِس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ پچاس سال قبل وہ نسخہ ترجمہ نگار کی دسترس میں تھا۔ معلوم نسخوں میں ایک آدھ نسخے کے علاوہ وہ نسخہ قدیم تر تھا، یقیناً صاف اور خوانا بھی رہا ہوگا، کیونکہ مترجمہ نسخے کی معنوی حدود تمام قلمی نسخوں کے متن کے عین مطابق ہیں۔ کہیں بھی کوئی جملہ متن کے فکری مدار سے باہر نکلتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔

[۴]

ذیل میں خلاصتہ الفوائد کے نوخطی نسخوں کا تعارفی جائزہ لیا گیا ہے، جو پاکستان کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

خلاصة الفوائد مکتوبہ مولوی محمد موسیٰ:

مولوی محمد موسیٰ کا مکتوبہ یہ نسخہ کسی زمانے میں خواجہ غلام رسول مہاروی کی ملکیت رہا ہے۔ اُن سے قبل یہ نسخہ خواجہ غلام حسین کے زیرِ تصرف تھا۔ ہر دو بزرگوں کے حقِ ملکیت کا اندراج نسخے کے پہلے صفحے پر کیا گیا ہے۔ آخری صفحے پر محمد اجمل مہاروی کا نام خطِ شکستہ میں بصورتِ دستخط ثبت ہے۔ نسخہ ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ نہایت صاف اور خوشخط ہے اور جلی قلم میں لکھا گیا ہے۔

ہر صفحے پر سطروں کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی رہی ہے۔ کم سے کم سطریں گیارہ اور زیادہ سے زیادہ چودہ ہیں۔ الفاظ کی تعداد بھی مختلف سطور میں مختلف ہے۔ نسخے میں ترقیمے کی عبارت یوں ہے:

"تمت بعون الله تعالیٰ شانہٗ۔ الحمدلله که نسخهٔ مبارك ملفوظ شریف صبح جمعه شریف بتاریخ ۱٤۔ صفر المظفر ۱۳٤٤ه از دستِ کمترین ملتجیِ عنایتِ حضرت محبوبِ ربّ العالمین صلی الله علیه و آله واصحابه وسلّم، فقیر محمد موسیٰ صورتِ اختتام پذیرفت۔ اللهم صلیٰ محمدو علی آلِ محمدو بارك وسلّم۔ اللهم انزله المقعد المقرب عندك یوم القیامه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلّم"۔

مولوی محمد موسیٰ لعلوانی خواجہ محمود تونسوی غریب نواز (م ۱۳۴۸ھ) کے مرید تھے۔ وہ نامور عالمِ دین مولوی علی گوہر کے برادر زادے تھے۔ خود مولوی صاحب موصوف بھی دینی علوم وفنون میں بے پناہ مہارت اور دسترس رکھتے تھے۔ تمام عمر درس وتدریس سے وابستہ رہے اور مخطوطات کی نقل نویسی اُن کا شعار رہا۔ تونسہ مقدسہ کے متوطن تھے اور اُسی خطۂ عرش مقام میں پیوندِ خاک ہوئے۔ قدیمی قبرستان میں پیر پٹھان غریب نواز کے مرید اور خلیفہ مرید غوث کی قبرِ انور کے نواح میں اُن کی قبر موجود ہے۔ پتھر کی ایک سِل پر اُن کا نام کندہ ہے۔ سنۂ وصال معلوم نہیں، لیکن آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۳۸ء تک حیات تھے، کیونکہ مولانا احمد سعید کاظمی کی کتاب الحجۃ البالغہ پر اُنھوں نے تقریظ لکھی تھی اور وہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۸ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

خلاصۃ الفوائد مکتوبہ سید رسول:

خلاصۃ الفوائد کا ایک نسخہ سید رسول کے حُسنِ قلم کا عکاس ہے۔ سید رسول نے اپنے مسکن کا نام شادیہ لکھا ہے، لیکن اُن کے احوال پردۂ اِخفا میں ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اُن کا وظیفۂ حیات کیا تھا؛ وہ کن کے دامنِ رحمت سے وابستہ تھے؛ اُن کا عرصۂ حیات کس طرح بسر ہوا اور وہ کس جگہ آسودۂ خاک ہوئے؟ اُن کا مکتوبہ خلاصۃ الفوائد کا یہ نسخہ ۱۶۔ ذی قعد ۱۳۰۹ھ کو مکمل ہوا۔ نسخہ کیا ہے؟ جلی قلم میں کاتب کی خوش نویسی کا اظہاریہ ہے۔ ۱۶۹ صفحات پر پھیلا ہوا یہ نسخہ نجیب الطرفین بھی ہے اور خوش آثار بھی۔ البتہ ہر صفحے پر سطروں کی تعداد یکساں نہیں۔ کہیں یہ تعداد

گیارہ ہے اور کہیں بارہ یا تیرہ۔ جہاں سطریں ناقہ ہائے بے مہار کی طرح قطار کے مدار میں رواں دواں نہ ہوں، وہاں لفظوں کی جمالیاتی ہم آہنگی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟ لہٰذا لفظوں کی بناوٹ میں حرفوں کے دائرے اور قوسیں: گیرائی اور پھیلاؤ میں کسی آہنگ کی پابند نہیں اور نہ ہی اُن کی تعداد کسی ہم آہنگی کا خوش کن منظر نامہ متشکل کرتی ہیں۔ البتہ اِس بے رنگی کے باوجود نسخے کے مختلف صفحات پر کاتب کے حُسنِ قلم کی رنگارنگی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ اِس خوش آہنگی اور رنگارنگی کے باوجود صفحۂ اوّل پر کاتب سے مصنّف کے نام کی ترقیم میں فاش غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اُنھوں نے جامعِ ملفوظات کا نام قاضی محمد عمر حکیم کے بجائے قاضی محمد عبدالحکیم لکھا ہے، جو یقیناً اُن کے قلم کی غلط نگاری کا نتیجہ ہے۔ یہ نسخہ مکھڈ شریف میں مولوی محمد الدین مکھڈی (م ۱۹۷۵ء) کے کُتب خانے کی زینت ہے۔

خلاصۃ الفوائد کے دو نسخے مکتوبہ غلامِ فخر الدین:

خلاصۃ الفوائد کے دو نسخے مولوی غلامِ فخر الدین متوطن تونسہ مقدسہ کے مکتوبہ ہیں۔ مولوی صاحب خواجہ اللہ بخش تونسوی غریب نواز (م ۱۳۱۹ھ) کے دامن گرفتہ تھے۔ وہ معروف شاعر اور روضۃ الصابرین کے مصنّف مولوی خُدا بخش صابر جراح کے پوتے مولوی خُدا بخش ثانی (م ۱۳۱۹ھ) کے بھتیجے بھی تھے اور داماد بھی۔ اُنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کے ملفوظاتی ادب کی کتابت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور پھر تمام عمر اِس کارِ خیر میں مگن رہے۔ دبستانِ تونسہ کے عقیدت گزاروں کے کتب خانوں میں اُن کے دست نوشت بیسیوں قلمی نسخے محفوظ ہیں، جو اُن کی ارادت کیشی کے ترجمان بھی ہیں اور اُن کی رعنائیِ قلم کے عکاس بھی۔ وہ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ تونسہ مقدسہ میں زندگی گزاری اور اُسی خاکِ خوش آثار میں مدفون ہوئے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۳۴ء تک حیات تھے اور اُس کے بعد ہی کسی وقت عدم کے سفر پر روانہ ہوئے۔

اُن کا مکتوبہ خلاصۃ الفوائد کا ایک نسخہ وقتِ ظہر پنج شنبہ ۲۴۔ صفر ۱۳۰۸ھ کو اختتام پذیر ہوا۔ صفحات اِس کے ۱۲۸ ہیں۔ اصلاً یہ ۶۴ برگ پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر گیارہ سطریں ہیں اور ہر سطر چودہ پندرہ لفظوں کو محیط ہے۔ کتابت مناسب اور گوارا ہے۔ البتہ خوب صورت نہیں۔ حالانکہ

کاتب خاصے خوش رقم واقع ہوئے ہیں۔ راقم کو اُن کے کئی دست نوشت مخطوطات دیکھنے کا اتفاق رہا ہے۔ وہ شکستہ رقم ہیں، لیکن اُن کی شکستہ نگاری: پختہ کاری اور خوش نویسی کا پتا دیتی ہے، لیکن یہ نسخہ دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ رواروی میں لکھا گیا ہے اور پھر عکس در عکس کے عمل سے گزرنے کے بعد اس نسخے میں کئی مقامات مدہم اور مبہم ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ نسخہ تونسہ مقدسہ میں کتابت ہوا اور اُسی نطۂ عرش مقام میں اپنی آب و تاب دکھاتا رہا۔ معلوم نہیں اب یہ گوہرِ آب دار کس کتب خانے کی زیب و زینت کا علمبردار ہے؟

اُن کا مکتوبہ دوسرا نسخہ وقتِ ظہر ۴۔ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ کو صورتِ اتمام سے روشناس ہوا۔ ۹۲ صفحات پر پھیلا ہوا متن حُسنِ کتابت کے جمالیاتی اسلوب کا آئینہ دار ہے۔ ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں، لیکن ہر سطر میں لفظوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ الفاظ ایک سطر کی زینت ہیں۔ ترک کا اہتمام تو کسی صفحے پر نہیں ہوا، البتہ رکاب سے کوئی بھی صفحہ محروم نہیں۔ یہ نسخہ خاصا روشن اور خوش آہنگ ہے۔ کبھی یہ نسخہ تونسہ مقدسہ کی بارگاہِ تقدّس مآب کے کتب خانے کی زینت رہا ہے؟ اب اس کی جلوہ آرائی سے کس منظر نامے کا پیش منظر جگمگا رہا ہے، یہ تو معلوم نہیں، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اگر ان نسخوں کے عکس برادرِ عزیز مولوی محمد رمضان معینی تک نہ پہنچتے، تو اِن کی خوش خرامی کا دائرۂ اثر اتنا ہمہ گیر نہ ہوتا۔

خلاصۃ الفوائد کے دو نسخے مخزونہ پنجاب یونیورسٹی:

پنجاب یونی ورسٹی، لاہور میں خلاصۃ الفوائد کے دو نسخے محفوظ ہیں۔ ان کے عکس برادرِ عزیز و گرامی ڈاکٹر معین نظامی کی کرم گستری کے سبب فراہم ہوئے۔ پنجاب یونی ورسٹی کا مخزونہ ایک نسخہ ترقیمے سے محروم ہے۔ کاتب نے کہیں بھی اپنے نام سے پردہ نہیں اُٹھایا اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ وہ کب اور کہاں اِس نسخے کی کتابت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ یہ نسخہ ۹۵ برگ (۱۸۹ صفحات) پر مشتمل ہے۔ نسخہ صاف اور خوانا ہے اور اپنے کاتب کی پختہ روشِ تحریر کا غماز بھی۔ یہ نسخہ گوورداس پور میں لباسِ تجلید میں ملبوس ہوا، لیکن کب؟ کتابت کی طرح شیرازہ بندی کا سنہ بھی معلوم نہیں۔ جلد ساز نے "محمد حنیف اینڈ سنز، صدر بازار گورداس پور لکھ کر اپنا تعارف کرایا ہے۔"

اِس نسخے کے ہر صفحے پر نو سطریں ہیں اور ہر سطر اپنی سلک میں بارہ تیرہ الفاظ کو پروئے ہوئے ہے۔ نسخے کے پہلے صفحے پر رسالے کا نام بھی مرقوم ہے۔ اندازِ کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا عنوان بعد میں کسی نے لکھا ہے۔

پنجاب یونی ورسٹی کے مخزونہ دوسرے نسخے میں ترقیمہ تو ہے، لیکن کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ وہ رقمطراز ہیں کہ:

"تمام شد ملفوظاتِ سراپا فیض تبرکات ہر قدر کہ از سعی جمیلہ قاضی مرحوم[و] مغفور قاضی محمد عمر حکیم سیت پوری صورتِ وقوع یافتہ بوقتِ ظہر روزِ چہار شنبہ فی الیوم الثالث عشرمن شہر رجب ۱۲٤۱ھ عفی اللہ سبحانہ تعالیٰ للکاتب بکرمہ و لطفہ و بحرمتہ المشائخ الجشتیہ رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

خلاصۃ الفوائد کے دستیاب خطی نسخوں میں، پیشِ نظر نسخہ قدیم ترین نسخہ ہے۔ یہ نسخہ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کی وفات کے چھتیس سال بعد لکھا گیا۔ نسخے کے ترقیمے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت زیرِ نظر نسخہ حسنِ کتابت سے مزین ہو کر تکمیل آشنا ہوا، تو جامعِ ملفوظات حیات نہیں تھے۔ وہ ۱۲۴۱ھ سے قبل ؟ ی سال سفرِ عدم پر روانہ ہوئے۔

کاتب خوش خط تو نہیں، لیکن اُس کا ثمرِ کتابت صاف اور خوانا ہے۔ نسخے پر دو مہریں بھی ثبت ہیں۔ چھوٹی مہر کسی صورت میں بھی خوانا نہیں ہے اور بڑی مہر کے الفاظ بھی آسانی سے دسترس میں نہیں آتے۔ یہی مہر (بڑی) آخری صفحے پر بھی لگائی گئی ہے۔ دونوں مقامات پر ثبت شدہ مہروں کو ملا کر پڑھا جائے، تو پیرزادہ ابو سلیمان مظفر احمد معتصم باللہ فضل آفاقی ابن شاہ محمد غوث ابن شاہ محمد اسمٰعیل کے اسمائے گرامی حیطۂ خواندگی میں مرتسم ہوتے ہیں۔

صفحۂ اوّل کے ایک کونے میں کاتب نے رسالے کا تعارف یوں کرایا ہے:

"رسالۂ ملفوظات حضرت قطب الطریقہ برہان الحقیقہ حضرت خواجہ نورِ محمد رضی اللہ عنہ وارضاہ موسومہ بہ اسم خلاصۃ الفوائد"۔

اِسی صفحے پر رسالے کے ایک خریدار کی تحریر بھی موجود ہے۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ: ''مقام دہلی ۳۱۔ اگست ۱۹۲۸ء از علی حسن سکنہ پانی پت خریدہ شد۔ بہ قیمت عصاں فضل احمد عفی اللہ عنہ''۔

خلاصۃ الفوائد مکتوبہ مولوی خُدا بخش چوہان:

مولوی صاحب کا مکتوبہ یہ نسخہ ۹۔ شوال ۱۲۸۸ھ کو مکمل ہوا۔ اُنھوں نے ترقیمے میں لکھا ہے کہ:

''تمام شد ملفوظاتِ حضرت قبلۂ عالم مهاروی مصنّفاتِ قاضی محمد عمر سیت پوری رحمة الله والحمدالله علی الاتمام والصلوٰۃ والسلام علی سیّد الانام وآلہ واصحابہ الکرام۔ اللھم اغفر للکاتبہ والوالدیہ والجمیع اهلِ سلام آمین یا رب العالمین ثم آمین ۹۔ شوال ۱۲۸۸ھ''۔

یہ نسخہ اٹھارہ برگ (۳۶ صفحات) پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر تیس سطریں ہیں اور ہر سطر بیس سے زائد الفاظ کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ پورے نسخے میں کہیں بھی ترک اور رکاب کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ نسخہ صاف اور خوانا ہے۔ کاتب پختہ کار اور زور نویس ہیں۔ اُن کے دست نوشت متعدد نسخے وابستگانِ تونسہ شریف کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ وہ ہر نسخے پر تاریخِ تکمیل ضرور لکھتے ہیں، جس سے نسخوں کی کتابت کے دورانیے کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔

خلاصۃ الفوائد مکتوبہ گل محمد چودھوانی:

خلاصۃ الفوائد کا سب سے خوب صورت نسخہ گل محمد چودھوانی کا نوشتہ ہے۔ ایک زمانے میں یہ نسخہ لنگرِ سلیمانیہ حامدیہ تونسہ مقدسہ کی مِلک رہا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ اب اِس دیدہ زیب نسخے سے کس کتب خانے کے بام و در منور ہیں؟ اِس کے عکس تک رسائی پیر محمد اجمل چشتی کی توجہ اور کرم فرمائی کے باعث ممکن ہوئی۔ کاتب نے ۲۸۔ صفر المظفر ۱۳۶۱ھ میں یہ نسخہ حافظ محمد سدیدین کے لیے لکھا تھا۔ نسخہ ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس نسخے کے مختلف صفحات پر چودہ یا پندرہ سطریں ہیں۔ ہر سطر میں الفاظ کی تعداد بھی اتنی ہی ہے۔

گل محمد چودھوانی خواجہ حامد تونسوی (م ۱۳۵۰ھ) کے مرید تھے۔ وہ چودھواں ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے متوطن تھے۔ عرصے تک تونسہ مقدسہ میں مقیم رہے اور دبستانِ تونسہ کے ملفوظاتی

مخطوطات کی نقل نویسی اُن کا وظیفۂ حیات رہا۔

خلاصۃ الفوائد مکتوبہ مولوی امام بخش مہاروی:

خلاصۃ الفوائد کا یہ نسخہ قبلۂ عالم غریب نواز کے خانوادے کے گلِ سرسبد مولوی امام بخش مہاروی (م ۱۳۰۰ھ) کے حُسنِ کتابت کا اظہاریہ ہے۔ مولوی صاحب موصوف قادر الکلام شاعر اور عالم اجل تھے۔ گلشنِ ابرار، دیوانِ عاجز، پنج گنج، مکتوبات اور مخزن چشت اُن کے علمی اور فکری سفر کی یادگار ہیں۔ وہ مولوی خُدا بخش خیر پوری (م ۱۲۵۱ھ) کے مرید تھے۔ اُن کا مکتوبہ نسخہ ۱۲۹۴ھ میں مکمل ہوا۔ یہ نسخہ ۵۵ برگ (۱۰۹ صفحات) پر مشتمل ہے۔ مولوی صاحب نہایت خوش خط اور پختہ نگار تھے۔ نسخہ اُن کے حُسنِ کتابت کی خوش آہنگی کا آئینہ دار ہے۔ نسخہ صاف، دیدہ زیب، خوانا اور نجیب الطرفین ہے۔ وہ ترقیمے میں رقمطراز ہیں کہ:

"احقر العباد الراجی الی رحمۃ اللہ فعال للما یرید امام بخش بن حضرت غلام فرید غفر اللہ لہ و الوالدیہ و الاستادیہ و المشائخیہ والسائر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والا حیا منھم والاموات بتاریخِ سوم ماہِ صیام در سنۂ یك ھزار دو صد نود و چھار صورتِ اختتام یافت"۔

[۵]

خلاصۃ الفوائد کے خطّی نسخے تو اور بھی ہوں گے، لیکن راقم اُن کی موجودگی سے آگاہ نہیں۔ متذکرہ بالا نونسخوں کے عکس: مکھڈ شریف، تونسہ مقدسہ، چشتیاں شریف اور لاہور کی خوش آثار اور ابدتاب فضاؤں سے ہوتے ہوئے فقیر کی کُٹیا تک آپہنچے ہیں۔

حوالے:

(۱) خلاصۃ الفوائد کے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے، راقم کا مقالہ بعنوان: خلاصۃ الفوائد: سلسلۂ چشت کا ایك اھم مجموعۂ ملفوظات مشمولہ دردریافت مجلّہ شعبۂ اردو: نیشنل

یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد: ۲۰۱۰ء

(۲) خیر الاذکار فی مناقب الابرار (قلمی): مکتوبہ مولوی خدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: ص ۱۸ الف

(۳) خیر الاذکار فی مناقب الابرار: مولوی محمد گھلوی: قلمکار بیٹھک، واہ کینٹ: ۲۰۱۰ء: ص ۲۸

فارغ شده‌اند از زبان گوهرفشان فرموده‌اند: بمی سجاده رنگین کن گرت پیر
مغان گوید: که سالک بی‌خبر نبود ز راه و رسم منزل‌ها: در شب ز زبان مبارک
این بیت فرمودند: تا مست نگردی نکشی بار غم عشق: آری شتر مست کشد
بار گران را: جامی بدست و جانان در تعانق داشتیم: شنیدم از مولوی
حافظ بابا محمد جی ساکن داود خیل که از یاران آنحضرت اند که روزی حضرت
قبله عالم فرمودند که وقتی در دهلی شریف بحضور حضرت مولوی صاحب [illegible]
حاضر بودم حضرت مولوی صاحب فرمودند که کجا دکهن و کجا پاکپتن قدرت پروردگار
بیان که مرا از دکهن آوردند و ترا از پاکپتن آوردند و بعده این بیت فرمودند

حسن ز بصره بلال از حبش صهیب از روم
ز خاک مکه ابوجهل این چه بوالعجبیست

تمت بعونه تعالی شانه بقلم شکسته رقم فقیر
غلام فخر الدین متوطن [illegible]

خلاصه [illegible] مکتوبه غلام فخر الدین ۱۲۵۸ھ

بسم الله الرحمن الرحیم

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله

العلی العظیم والصلوة والسلام علی المرسلین وامام المتقین وخاتم

النبیین محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین اما بعد میگوید ضعیف عباد الله القوی [illegible]

الله در یقاضی محمد عبد الحکیم این چند ملفوظ از زبان گوهرفشان عزیز همه

جهان منبع حضرت شیخ المشایخ غیاث العاشقین سند

الواصلین منبع الانوار [illegible] راحته شیخ الاسلام نور الحق والدین

سیدنا ومولانا وشیخنا حضرت خواجه نور محمد رضی الله تعالی عنه وارزقنا

رضاه آنچه جمع نموده بخلاصة الفوائد موسوم ساخته که مشتمل

بر دو باب است باب اول در ملفوظات آنحضرت که این

عاجز بروقت استماع آن بسعادت فراید و بقدر فهم خود بتحریر قلم

آورده وجه [illegible] یارا که مضمون کلام شریف بلفظ [illegible] بمقدار تخفیف بعینه ادا نمی شود

بلکه بعضی الفاظ را مدعا هم نفهمیده ام اما حتی الامکان شوق در ترک افراط

و تفریط کوشیده به لفظ بلفظ نوشته ام که شاید صاحب مطالعه

اهل نسبت باشند بمقتضای رب مبلغ اوعی من سامع

خلاصة الفوائد مکتوبه سید رسول

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا

بالله العلی العظیم [illegible] علی سید المرسلین

وامام المتقین خاتم النبیین محمد وآله واصحابه اجمعین [illegible]

میگوید [illegible] القاضی [illegible]

[illegible] شیخ الاسلام [illegible]

[illegible]

[illegible] آنحضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ملفوظات آنحضرت [illegible]

[illegible]

[illegible] ملفوظات آنحضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

این بیت فرموده‌اند: حسن ز بصره بلال از حبش صهیب از روم ز خاک
مکه ابوجهل این چه بوالعجبیست. تمام شد ملفوظات سراپا فیض برکات
هر قدر که از سینهٔ جمیل قاضی مرحوم مغفور قاضی محمد جعفر قدس سره بسبب بودن آن حضرت
وقوع یافته بوقت ظهر روز چهارشنبه بتاریخ الیوم الثانی عشر من شهر جمادی الاول
عفی الله سبحانه و تعالی الکاتب بکرمه و لطفه و رحمته

المشایخ الحنفیة رضی الله عنهم اجمعین

خلاصة العقائد ... [illegible] ... جناب ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... که ذات شریف حضرت
مولوی صاحب [illegible] ... دهلی تشریف آورده [illegible]
رحلت فرموده بودند [illegible] داشتند [illegible] انداخته بودند [illegible] در ایام
[illegible] هزار روپیه از دکهن محمد [illegible] آمده بود [illegible]
نذر کرده فرستاده بود که همان وقت دوازده صد روپیه بقرض خواهان ادا
کردند که در لنگر خرچ فقرا بود و هشت صد باقی بمستحقان تقسیم کرده دادند اتفاقاً
سوال کتابها و وجه نادادن کتابها بمستحقان آن بود که خود بدولت میفرمودند
که خاطر بچیزی از اسباب دنیا تعلق ندارد مگر دوست کتابها دارم و این حب جبلی است
فائده روزی آنحضرت قبله فرمودند که انسان کامل جامع عالم است و قوت منشأ او فنای تام
فائده روزی حضرت خلیفه صاحب بجناب حضرت قبله صاحب عرض نمودند که تخریجی
تاریخ وصال مولوی صاحب از الفاظ محب النبی [illegible] محمد فخر الدین استخراج کرده است
خود بدولت فرمودند که از همین لفظ محب النبی که لقب حضرت مولانا صاحب است [illegible]
[illegible] بود روزی حضرت مولانا صاحب [illegible] فرمودند که بار در عرس حضرت مخدوم
صاحب شیخ نصیر الدین محمود چراغ دهلی [illegible] بر مزار مبارک ایشان رفتم دیدم که وقت
[illegible] حضرت مخدوم صاحب قدری از لنگر خود تبرک عرس شریف بدست خود مرا
دادند و فرمودند که شما محب نبی هستید چنانچه این لقب از زبان حضرت
مخدوم صاحب ملقب شدند [illegible] مرغوب و پسند است فائده شبی آن [illegible]
بدایة فرمودند که در ابتداء حال در دهلی شریف می خواندم و بر کناره حوض در مدرسه
خواب شب میکردم میان محمد اصلح نامی حافظ [illegible] خوش [illegible] هم [illegible] خود
بر کناره حوض در مدرسه [illegible] مذکور نزدیک [illegible] میداشت [illegible]
نان از [illegible] میداد [illegible] در [illegible] آن ایام شوق [illegible]
گاهی خیال میکردم که بطرف وطن بروم و گاهی بخیال مدینه منوره همراه حاجیان
گردم [illegible] حافظ مذکور از من پرسید که ای فلان چرا اندوهگین میباشی جواب
دادم که استادان مشفق در رفیق وطن رفتند و تسکین خواندن نمیشود با
آن متکلم حافظ موصوف گفت [illegible] چند روز است که شخصی خوب عالم [illegible] زاده
از دکهن آمده است و میفرماید که اگر کسی طالب العلم برای خواندن بیاید
خواهم خواند [illegible] ایشان بجا [illegible] و [illegible] نام شخص که
همراه [illegible] میکرد [illegible] رسیدم که وقت گذران [illegible]
[illegible] از دکهن آمده است [illegible] قوت [illegible] میفرماید که تعین [illegible]

خلاصة الفوائد مکتوبه محمد بخش [illegible]

فوائد هم از زبان درفشان مبارک مسموع شد که روزی حضرت سلطان المشایخ
در غیاث‌پور بر کناره دریای جمنه نشسته بودند ناگاه زر در ناو پیچیده
ظاهر آمد و حضرت سلطان صاحب یک قطعه کاغذ در آن دستار پیچیده بودند آن
کاغذ گرفته ها پیدا شد بعد حاضرین عرض کرد که حضرت این چیست کدام کس بعد
نوشته فرمودند که این دست شرف‌الدین قلندر بعد که برای اجازت خود
اجازت مکانی طلبیده آمده بود و خود تمام در آب پنهان بودند فرموده روز
آنحضرت فرمودند که حضرت مولانا صاحب که از دهلی برای زیارت حضرت
بابا صاحب قدس سره طرف پاکپتن تشریف آورده بودند اول در پانی پت که قلندر جمال گرده
از دهلی جانب پوربت آمده بر مزار شاه شرف ماندند بعده وصیت فرمودند که تا
کار که میسر نشد حضرت بابا صاحب کارها در پیچ کرده اند لیکن بر مزار حضرت بابا
صاحب قدس سره ضرور رفته باید که زیارت شیخ خواجه حاصل شود بعده طرف پاکپتن
تشریف آوردند و این هم فرمودند که پانی پت بسیار خوب مکان است و فترک است
پس سخن در بزرگان پوربت اقتدا خود نموده فرمودند که پوربت مکان عاشقان است
تا امروز یک شخص بخدمت آنحضرت عرض نمود که سلطان التارکین حضرت صوفی
حمید الدین ناگوری بخدمت کدام صاحب بیعت داشتند و وجه سلطان التارکین

حوالہ جات الفوائد مکتوبہ علام فخر الدین ۱۲۳۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ

الا باللہ العلی العظیم الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و

امام المتقین و خاتم النبیین محمد و آلہ و صحابہ اجمعین اما بعد میگوید

اضعف عباد اللہ القوی الکریم المشہور بقاضی محمد عمر حکیم کہ این

چند ملفوظات از زبان گوہر افشان ہدایت ترجمان بندگی حضرت

شیخ المشائخ غیاث العاشقین سند الواصلین منبع انوار الصمد

مظہر اسرار الاحد شیخ الاسلام نور الحق والدین مولانا و سیدنا

و شیخنا حضرت خواجہ نور محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا

جمع نمودہ بہ خلاصۃ الفوائد موسوم ساخت کہ مشتمل است بر دو باب

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر و

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم الصلوة والسلام

علی سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد و آله

واصحابه واتباعه اجمعین اما بعد میگوید اضعف عباد الله

القوی الکاتب الملتجی به قاضی محمد عمر حکیم که اینچه ملفوظ

از زبان گوهر فشان هدایت ترجمان بندگی حضرت

خلاصة الانوار [illegible]

موسوم [illegible] کرده [illegible] باب اول در ملفوظات آنحضرت

که ازین [illegible] حضور [illegible] باستماع آن سرفراز شده و بقدر فهم خود بقید قلم آورده

چه یارا که مضمون کلام [illegible] از [illegible] بمقدار [illegible] بعینه اردو کرده [illegible] بعض

الفاظ را [illegible] فهمیده ام اما [illegible] مقصد خود [illegible] شده

ملفوظ [illegible] ام که شاید [illegible] اهل نسبت باشد [illegible] حسب مبلغ

[illegible] باب [illegible] فصل [illegible]

[illegible] فصل اول در ملفوظات آنحضرت فصل دوم در [illegible] آنحضرت [illegible]

بعضی مسائل عبارت مطابق [illegible] کتاب خود [illegible]

[illegible] عبارت مذکور بعینه [illegible] باب دوم در ملفوظات آنحضرت که

بالواسطه از بعضی [illegible] آنحضرت [illegible]

باب دوم [illegible] گذشت [illegible] در ملفوظات آنحضرت

بہادر شاہ ظفر:

دو نادر اور غیر مطبوعہ خط

[۱]

بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) بیس سال دہلی کے تخت پر جلوہ آرا رہے۔ وہ مغلیہ سلطنت کے آخری فرماں روا تھے اور اُن کے ساتھ ہی سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو کر رہ گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی شکست کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے برِصغیر پاک و ہند پر اپنا تسلط جمایا، تو صدیوں پر پھیلا ہوا جہاں گیری اور جہاں بانی کا مغل منظر نامہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ جب بہادر شاہ ظفر کو معزول کر کے رنگوں میں قید کر دیا گیا، تو گویا:

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

بہادر شاہ ظفر بنیادی طور پر ایک درویش منش اور فقیر مزاج انسان تھے۔ انھیں ابتدا ہی سے سلسلۂ چشتیہ کے صوفیہ کے ساتھ خصوصی تعلقِ خاطر تھا اور اُن کا یہ رشتہ اور تعلق آخر وقت تک قائم رہا۔ بقولِ ڈاکٹر اسلم پرویز:

> ''بہادر شاہ ظفر کو مشائخ چشت سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ قطب صاحب کے مزار پر اکثر حاضری دیتے تھے۔...... حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کے لیے قطب صاحب کی درگاہ سے چھڑیوں کا جو جلوس جاتا تھا، ظفر اُس میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور زرِ نقد سے امداد کرتے تھے''۔(۱)

معاصر صوفیائے چشت میں انھیں فخرِ جہاں خواجہ فخر الدین محمد دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) (۲) سے بے پناہ عقیدت تھی اور اُن کے بعد کتنے ہی چشتی صوفیہ اُن کے حسنِ خیال میں خیالِ حسن کی صورت جلوہ گر رہے۔ وہ جب کبھی تخلیقِ شعر میں منہمک ہوتے، تو تخیل میں اِن صوفیہ کی خوشبو

متنوع رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر جلوہ گر ہو جاتی اور یوں حسنِ تخلیق کا اظہار یہ اِن صوفیہ کے اوصافِ حمیدہ کی مہکار میں ڈھل جاتا۔ اُن کا خاصا کلام اِن صوفیہ کے مناقب اور اِن کے احساسِ صداقت کی رعنائی سے معمور ہے۔

بہادر شاہ ظفر غلامِ قطب الدین (م ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) (۳) کے دامن گرفتہ اور فیض یافتہ تھے، جیسا کہ اُنھوں نے اِن اشعار میں خود بھی تذکرہ کیا ہے:

مریدِ قطبِ دیں ہوں، خاک پائے فخرِ دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں، اُن کا غلامِ کمتریں ہوں میں

اُنھی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل رو سیہ مثلِ نگیں ہوں میں

مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں، کہیں ہوں میں

یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا اِن کو اپنا حامیِ دنیا و دیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر اُن کا گدائے رہ نشیں ہوں میں (۴)

ڈاکٹر اسلم پرویز نے اپنی کتاب بہادر شاہ ظفر میں اُنھیں غلامِ نصیر الدین کالے صاحب (م ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء) (۵) کا مرید بتایا ہے، لیکن آثار سے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ (۶) البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر اُن کے خلیفہ ہوں، کیونکہ مولوی ذکاء اللہ نے لکھا ہے کہ:

''وہ خاندانِ چشتیہ میں مرید تھا اور خود پیر و مرشد بھی تھا اور اوروں کو مرید کرتا تھا''۔ (۷)

سلسلۂ چشتیہ میں پیری مریدی کے لیے کسی بھی فرد کا اپنے پیر و مرشد یا کسی کاملِ شیخِ طریقت سے مجاز ہونا لازمی امر ہے۔ محض ارادت اور عقیدت کی بنا پر کوئی بھی شخص سلسلے کے روحانی

کام کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اگر واقعتاً بہادر شاہ ظفر پیری مریدی کرتے تھے، تو لازم ہے کہ اُنھیں کہیں سے اس کارِ خیر کی اجازت بھی ارزانی ہوئی ہو۔ کالے صاحب کے ساتھ چونکہ اُن کے نہایت ہی گہرے اور قریبی تعلقات تھے، اِس لیے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مرشد زادے ہی کے خلیفہ ہوں گے۔ اگرچہ وہ اپنے حسنِ عمل اور طرزِ احساس کے اعتبار سے ہر اُس چشتی فقیر کے مدحت گزار تھے، جو فخرِ جہاں غریب نواز کی غلامی کے سلسلے میں بندھا ہوا تھا۔ اُن کے کلام کے مطالعے سے اِس مسئلے پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ (۸)

[۲]

ذیل میں اُن کے دو غیر مطبوعہ فارسی خطوط (۹) کا متن درج کیا جاتا ہے، جو اُنھوں نے خواجہ محمد سلیمان خان تونسوی المعروف بہ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز (م ۱۸۵۰ء/ ۱۲۶۷ھ) (۱۰) کے نام لکھے ہیں۔ یہ خطوط مناقب شریف (۱۱) مرتبہ حافظ احمد یار (۱۲) میں موجود ہیں۔ اِس مجموعے کے فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ:

> "بادشاہِ دھلی محمد سراج الدین خان غازی بہادر نامی کہ الی یوم التحریر ۱۲۷۳ھ ذی حیات است دام اللہ بقا بہ آن طور معتقدِ ذاتِ بابرکات بود کہ از دھلی شریف عرایضات در استدعایِ حصولِ محبتِ الٰہی و وصولِ معرفتِ نامتناھی گذارش کردہ می ماند۔ چنانکہ دو نقلِ عرایضاتِ اوشان بندہ را بدست آمدہ بود۔ موجود افتادہ اند، گواھیاً بقلم آوردہ می شود"۔ (۱۳)

مناقب شریف کے ص ۴۴۶ تا ۴۴۸ پر نقل ہونے والے یہ دونوں خط اپنے مندرجات کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ اِن سے جہاں ایک طرف بہادر شاہ ظفر کی ذہنی اور روحانی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف سلسلۂ چشتیہ کی ہر خاص و عام کے لیے شفقت اور پشت پناہی کا پتا بھی چلتا ہے۔ دونوں خط مرصع اور مقفٰی اسلوبِ نگارش کا عمدہ نمونہ ہیں۔ خطوط کی ترتیب و تہذیب کے دوران میں، دو تین الفاظ حُسنِ تفہیم کی گرفت سے باہر رہے۔ راقم نے انھیں فکر و آہنگ کی معنوی تعبیر سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی، مگر کاتب کی شکستہ نویسی آڑے آتی رہی۔

لہٰذا اِن کی صورت نویسی کرتے ہوئے قوسین میں سوالیہ نشان لگا کر انھیں نشان زد کر دیا گیا۔ اسی طرح ترجمہ کرتے وقت بھی اِن الفاظ سے صرفِ نظر کیا گیا، مگر ایک آدھ جملے میں ان کی موجودگی تفہیم اور تعبیر کی روشنی کو ماند کرتی رہی۔ راقم نے محض اندازے سے اُس جملے کا مفہوم لکھ کر اُسے بھی نشان زد کر دیا ہے۔ ترجمے میں تین مقامات پر وضاحتی جملوں کو چھوٹی بریکٹ میں لکھا گیا، کیونکہ یہ ناقۂ بے مہار کے مانند، قطار میں سفر پیمائی کے حُسن اور رعنائی سے بے خبر تھے۔

[۳]

متن خط نمبر ا:

صدر نشینِ سریرِ قطبیت و صدارت گزینِ محافلِ غوثیت، سر گروهِ و اقفانِ شریعت، قافله سالارِ سالکانِ طریقت ،غواصِ بحارِ حقیقت، گوهرِ دریایِ معرفت، قدوة السالکین ،زبدة العارفین، خضرِ طریقِ هدایت و ارشاد، سلیمانِ ملكِ عنایت و امداد حضرت مولانا شاه سلیمان صاحب سلمه الرحمن و زیدعنایتهم و بر کاتهم!

بعدِسلامِ مسنونٌ الاسلام و آرزویِ زیارت فیض بشارت واضح خاطرِ شریف آئینۂ پُر انوارِ لطیف باد که هر چند این نیاز مندِ درگاهِ الهٰی بظاهر متمکنِ سریرِسلطنت جالسِ چهار بالشِ خلافت است ،و لیکن نظر برمثویاتِ اُخروی۔ درحال بیادِ ایزدی مصروف وپیوسته به شغلِ باطنی مشعوف به باشد، مگر گاه گاهی بمتقضایِ تعلقاتِ بشریه و مستلزیاتِ عاداتِ انسانیه گونه غفلتی و هولیتی [؟] هم رو میدهدوازین تفرقۂ باطنی خیلی تأسف مستولیِ خاطر میگرددو بغایت انقباضِ طبع می پیوندد۔ بنابرین منتهایِ تمنایِ این جانب چنین است که به شغلِ معمولِ حضراتِ صوفیه رحم الله علیهم اشتغال ورزیده آمد، تا مرأةِ قلب از زنكِ كدورت مجلیٰ و مصفا ماندودمی بی یادِ الهٰی که وسیلۂ جمیله نجاتِ اُخروی وذریعۂ جلیله سعادتِ دنیوی است، مگذرد۔ چندرین جزوِ زمان در زمرۂ خُدا رسیدگان بهتر از آن قدوة السالکین و اردانِ چهار ران [؟] نشان نمی دهند

ـ در باطن چندان اعتقاد آن خدا شناس راسخ گشته که با وجود حجاب ظاهری بیشتر شوقِ لقایِ آن مخزنِ کرامات در محیلۀ خیال وفی الواقعه اگر موانعِ عوایق قویه نبودی، آن وقت بملاقات رسیدی، الا در ین حال استدعای چنان که کدام شغل مؤثر موافقِ طریقۀ طبقۀ عالیه خاندان چشتیه نوشته فرستاده شود، تا مداومت نموده آید و نیز مولوی محمد حیات صاحب (۱۴) که مریدِ خاص آن خدا شناس است به تاکیدِ تمام و مبالغۀ تام ارقام باید که در هر هفته دوباراز ملاقات خود این جانب را مسرور گرداند و در آموزش اشتغال مفیده دریغ نه نماید که هر آئینه ظهورِ این معنی موجبِ جمالِ ممنونی این مشتاق تو اند بود ـ فقط

مرقومه ۱۷ ـ ماه ذی قعد ۱۲۶۰ھ ۷ سنۀ جلوس

متن خط نمبر۲:

عارفِ معارفِ حقیقت، کاشفِ مکاشفِ طریقت، زبدة الاصفیا ،برهان الاتقیا، سلالۀ اولیایِ عظام، عضادۀ اقطابِ کرام، هادیِ طریقِ هدا، مهدیِ هدایتِ راهِ خدا، مهبطِ انوارِ ایزدی، موردِ اسرارِ سرمدی ،قدوة العالمین ،عمدة العارفین، محبوبِ خدا، مقبولِ مصطفی ،تکیۀ مریدان، دستگیرِ درماندگان، مخزنِ معدنِ کرامات زاد الله برکاتهم و فیوضهم!

بعدِاتحافِ هدیۀ سلام که همین تحفۀ اسلام است، تمنایِ قدم بوسیِ آستانۀ قدسی عالیه متعالیه مشهود ضمیرِ قدسی نظیرباد۔ صحیفۀ شریفه که نسخۀ تقویتِ دلِ ناتوان وتعویذِ حرزِ جان، مشحون به مضامین وعنایتِ گوناگون و توجهاتِ روز افزون هم دست جامع صفات نیک سرشتی میاں حسام الدین چشتی (۱۵) درعینِ انتظار رسیده، دیدۀ منتظر را نوری و سینه را سروری بخشید این کلماتِ طیبه و نکاتِ بابرکات بمجرد سماعت خاطرِ مخزون که غنچه وار از دیر باز در انقباض بود، به نسیمِ انبساط گل گل شگفت و لب ثنایِ مفرح القلوب

کشوده۔ به شکرِ این عظمای اگر قلمِ دو زبان را هزار زبان پیدا کند، یکی از هزار ادا نسازد بجز این که به دُعاءِ بقایِ آن سرچشمهٔ آبِ بقاپر دازد و ارشادِ هدایت بنیاد پیشتر به مولوی صاحب مولوی محمد حیات جی رسانیده، او شان حسب الارشادِ عالی مهربانی های بفرمایند و آنکه گفته می شود به سماعتِ گوشِ حق نیوش پذیرا می نماید۔ اُمید از فیضِ عمیم الکنهٔ شریعت و طریقت گنجینهٔ اسرار حقیقت و معرفت چنان است که این دور افتاده راا گرچه بظاهر دوری به مهجوری است، لیکن به دل عینِ حضوری است، دور نه پندارند و از زمرهٔ حاضران حاضر الخدمت فیض درجت و یکی از مریدان و نظر کردگانِ خود شمارند و نظرِ کیمیا اثر بر حالِ این کم مایه مبذول دارند:

آنانکه که خاك را به نظر کیمیا کنند

آیا بود که گوشهٔ چشمی بما کنند (۱۲)

و نیازمندِ درگاهِ الهٰی را که از امدادِ شغلِ عالیه سینه مصفا و خاطر مجلیٰ است۔ الحمد لله تعالیٰ شانه ذات با برکات دیر گاه سلامت باکرامت داراد بحق النبیؐ و آل الامجاد۔

بمطالعهٔ سامعه حضرت مولانامرشدناشاه سلیمان صاحب سلمه الرحمن مکشوف باد۔

محرره شبِ چهارم ماه ربیع الاوّل ١٢٦١ه (۸) سنهٔ جلوس

مسمی محمد سراج الدین شاه غازی بهادر

به سجعِ مهر

[۴]

ترجمہ خط نمبرا:

سلامِ مسنون کے بعد آرزوئے زیارت فیض بشارت انوارِ لطیف سے معمور خاطرِ شریف

پر واضح ہو۔ اگرچہ یہ نیاز مند بظاہر دہلی کے تخت پر جلوہ آرا ہے، مگر اس کی نگاہ اُخروی اجر و ثواب پر لگی ہے اور یہ یادِ ایزدی میں منہمک اور شغلِ باطنی میں مشغول ہے۔ گاہے بگاہے بشری تقاضوں اور فطرتِ انسانی کے باعث غفلت سرزد ہو جاتی ہے اور یوں یہ باطنی انتشار مستولیِ خاطر کا سبب بن جاتا ہے اور انقباض طبیعت کو جکڑ لیتا ہے۔

بایں ہمہ فقیر کی تمنا یہ ہے کہ حضراتِ صوفیہ کے معمولات اور اشغال پر عمل پیرا رہے، تاکہ اس کا آئینۂ دل زنگِ کدورت سے پاک اور منزہ ہو جائے اور کوئی بھی لمحہ یادِ الٰہی (جو آخرت کا وسیلۂ جمیلہ اور سعادتِ دنیوی کا ذریعۂ جلیلہ ہے) سے خالی نہ گزرے۔ اس زمانے میں آپ سے کوئی بھی بڑھ کر نہیں [؟]۔ دل میں آپ جیسے خُدا شناس پر اس طرح اعتقاد راسخ ہے کہ باوجود حجابِ ظاہری قوتِ متخیلہ میں آپ ہی کی صورت جلوہ گر ہے۔ اگر علائق دنیا دامن گیر نہ ہوتے، تو اِسی وقت ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، لیکن ان حالات میں اتنی سی استدعا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کا کوئی وظیفہ لکھوا بھیجیں، تاکہ اُس پر مداومت کروں اور یہ بھی کہ اپنے مریدِ خاص مولوی محمد حیات کو تاکید فرمائیں کہ وہ ہفتے میں دو دن شرفِ ملاقات سے مسرور فرمائیں اور اشغال کی آموزش میں دریغ نہ فرمائیں، تاکہ اس مشتاق پر اِن اوراد کی معنویت کے جمال کا ظہور ممکن ہو سکے۔

ترجمہ خط نمبر۲:

ہدیۂ سلام (کہ یہی تحفۂ اسلام ہے) کی پیش کش کے بعد، آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کی تمنا قدسی مثال ضمیر پر آشکار ہو۔ توجہاتِ روز افزوں اور عنایاتِ گونا گوں سے معمور گرامی نامہ (جو کہ دلِ ناتواں کے لیے تقویت اور جاں کے لیے حرز و تعویذ ہے) میاں حسام الدین چشتی کے ذریعے عین عالمِ انتظار میں موصول ہوا۔ دیدۂ منتظر کے لیے نور اور سینے کے لیے باعثِ سرور ہوا۔ اِن کلماتِ طیبات اور نکاتِ بابرکات کی محض سماعت ہی کے طفیل وہ پریشان خاطری، جو مدت سے غنچے کی طرح انقباض کا باعث تھی، نسیمِ انبساط سے پھول کی طرح کھل اُٹھی اور لبِ ثنا نے دل کو خوشی سے بھر دیا۔ اگر قلمِ دو زبان کی ہزار زبانیں بن جائیں، تو اُن عظما کا ذرہ برابر شکر یہ ادا نہ ہو، سوائے اِس کے کہ یہ فقیر اِس سرچشمۂ آبِ بقا کی بقا کے لیے دُعا کرے۔ قبل ازیں ارشادِ

ہدایت بنیاد مولوی محمد حیات جی کو پہنچا اور وہ عالی جناب کے حسب ارشاد مہربانی فرماتے ہیں۔ جو کچھ کہا جاتا ہے، گوشِ حق نیوش اُس کی سماعت میں کاہلی نہیں کرتا۔ گنجینۂ اسرارِ حقیقت و معرفت اور عمیم الکنۂ شریعت و معرفت کے فیض کا اُمیدوار ہوں۔ یہ دور افتادہ بظاہر مجبوری کی بنا پر دور ہے، حالانکہ اِس کا دل عین حضوری میں ہے۔ اِسے دور نہ جانیں اور زمرۂ حاضران میں گردانیں۔ اپنے مریدوں میں شمار کریں اور اس کم مایہ پر اپنی نگاہِ کیمیا اثر مبذول فرمائیں: 'وہ لوگ جو خاک کو ایک نظر میں کیمیا کر دیتے ہیں، اُن سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک گوشۂ چشم ہماری طرف بھی کریں'۔ سلسلۂ چشتیہ کے اوراد و وظائف کے اشغال کے باعث اس نیاز مند کا سینہ مصفا اور مجلیٰ ہے۔ خُداوندِ کریم بطفیلِ محمدؐ و آلِ محمد آپ کو تادیر سلامت با کرامت رکھے۔

حضرت مولانا مرشدنا شاہ سلیمان صاحب سلمہ الرحمٰن مطالعہ فرمائیں۔[معیار: مجلّہ شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد: ۲۰۱۱ء]

حواشی اور حوالے:

(۱) بہادر شاہ ظفر: انجمنِ ترقیِ اردو (ہند)، نئی دلّی: ۱۹۸۶ء: ص ۲۳۸

(۲) سلسلۂ چشتیہ کے مجدد، مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید وخلیفہ، قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی اور شاہ نیاز بریلوی کے پیر و مرشد، فخرِ جہاں فخرالدین محمد دہلوی اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۴ھ میں دہلی میں ورود فرمایا اور پھر اپنی وفات (۱۱۹۹ھ) تک یہیں مقیم رہے۔ اب قطب صاحب کی بارگاہِ عرش مقام میں آسودۂ خاک ہیں۔ مناقبِ فخریہ، فوائدِ فخریہ، شجرۃ الانوار، مثنوی فخریۃ النظام اور فخر الطالبین اُن کے ملفوظات اور مناقب پر مشتمل وہ مجموعہ ہائے نظم و نثر ہیں، جن کی معنوی اور جمالیاتی صداقت احساس روز افزوں ہے۔

(۳) غلامِ قطب الدین، فخرِ جہاں غریب نواز کے اکلوتے فرزندِ ارجمند تھے۔ وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ انھیں اپنے والدِ گرامی سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں اُن کی رحلت کے بعد وہ اُن کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ خلافت انھیں قبلۂ عالم غریب نواز سے ودیعت ہوئی۔ حاجی نجم الدین نے لکھا ہے کہ:

"وقتیکہ مولانا صاحب قطب الدین صاحب اورنگ آباد تشریف بہ دہلی

آوردند بطریقِ خلافت وراثتاً برسجادۂ مولاناصاحب نشسته بودند و بیعت و فیض طالبان خُدا را ارزانی می فرمودند۔ پس بعد از چند روز بخدمت حضرت قبلۂ عالم در مهار شریف آمده، چند مدت ماندند و ریاضت و مجاهده بحسبِ تربیتِ حضرت قبلۂ عالم بسیار کردند و مقصود اصلی رسیده و خلافت و نعمت از قبلۂ عالم یافته باز در دهلی تشریف آوردند"۔[مناقب المحبوبین محمدی پریس، لاہور:۱۳۱۲ھ:ص۲۹] اُنھوں نے ۱۲۳۸ھ میں وفات پائی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔

(۴) کلیاتِ بہادر شاہ ظفر: نولکشور پریس، کانپور: ۱۸۸۷ء:ص ۲۲۱

(۵) غلام نصیرالدین المعروف بہ کالے صاحب فخرِ جہاں غریب نواز کے پوتے اور غلام قطب الدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ وہ اپنے والدِ گرامی کی وفات کے بعد اُن کے سجادے پر جلوہ گر ہوئے۔ وہ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کے خلیفہ تھے۔ اُنھوں نے ایک بار تونسہ مقدسہ کا سفر کیا اور ایک سال وہاں مقیم رہے۔ ۱۲۶۸ھ کو انتقال فرمایا اور دہلی میں آسودۂ خاک ہوئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں اُن کا سنۂ وصال ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء بتایا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ مومن خان مومن نے اُن کے وصال پر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے، اُس سے سنۂ وصال ۱۲۶۸ھ برآمد ہوتا ہے:

ہوئی جس دم وفات حضرت کی — مجھ کو تاریخ کا خیال آیا
ہاتفِ غیب نے کہا ناگاہ — کالے صاحب کو سرخرو پایا

۱۲۶۸ھ

[کلیاتِ مومن: مجلس ترقیِ ادب، لاہور: بارِ دوم مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۳۴۶]

(۶) پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ: "شاہ فخرالدین صاحب کے بعد غلامِ قطب الدین صاحب ہی سجادہ نشین ہوئے۔ وہ اپنے زہد اور تقدس کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر اُن کے مرید تھے۔[تاریخ مشائخ چشت: ادارۂ ادبیات، دلی: ۱۹۸۴ء، ص ۳۳۶۔ ۳۳۷] شجرۃ الانوار (قلمی) اور مناقب المحبوبین میں بھی اکبر شاہ ثانی کے بعض فرزندان کی غلامِ قطب الدین سے بیعت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اُن میں بہادر شاہ ظفر سب سے زیادہ صوفیہ کے عقیدت گزار تھے۔ 'بعض فرزندان' میں یقیناً وہ بھی شامل ہوں گے۔

(۷) تاریخ ھند (ج ۱۰): علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ: ۱۹۱۷ء: ص ۳۴۶

(۸) اس ضمن میں بہادر شاہ ظفر کی کلیات سے: فخرِ جہاں غریب نواز، غلام قطب الدین، غلام نصیر الدین کالے صاحب اور قاضی عاقل محمد کوٹ مٹھن وغیرہم کے حوالے سے اُن کی غزلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۹) یقین ہے کہ دہلی کے تخت پر متمکن بہادر شاہ ظفر نے اپنے عرصۂ حیات میں مختلف امور پر مبنی سیکڑوں خط ضرور لکھے ہوں گے، لیکن حیرت ہے کہ آج اُن کا کوئی خط محفوظ نہیں۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان: مکتوبات اردو کا ادبی اور تاریخی ارتقا میں اُن کے دو اردو خطوط کو شامل کیا تھا، لیکن وہ ان کے مندرجات سے مطمئن نہیں تھے۔ بعد میں اُن خطوط پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اسلم پرویز نے لکھا ہے کہ: ''فاروقی صاحب نے تو ہلکا سا شبہ ظاہر کیا تھا، تاہم تمام حالات کو سامنے رکھ کر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن دونوں خطوں کو ظفر سے منسوب کرنے کے لیے کوئی قابلِ قبول شہادت موجود نہیں''۔ [بہادر شاہ ظفر: ص ۴۰۴] اس صورت حال میں بہادر شاہ ظفر کے دو فارسی خطوط کی بازیافت یقیناً بہت اہم ہے۔

(۱۰) خواجہ پیر پٹھان غریب نواز ۱۱۸۴ھ کو علاقہ سنگھڑ کے ایک گاؤں گڑگوجی میں متولد ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر (۱۱۹۹ھ) میں قبلۂ عالم غریب نواز کے دامنِ شفقت سے وابستہ ہو گئے اور ۱۲۰۵ھ میں خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر باسٹھ سال تک وہ تونسہ مقدسہ میں سلسلۂ چشتیہ کی مسندِ عرش مقام پر جلوہ افروز رہے۔ ۷۔ صفر ۱۲۶۷ھ کو واصل بحق ہوئے۔ تونسہ مقدسہ میں ان کا آستانۂ عالیہ مرجعِ خلائق ہے۔ مناقب شریف، منتخب المناقب، مناقبِ سلیمانی، راحت العاشقین (گلشنِ اسرار)، نافع السالکین، ملفوظ شریف، مناقب المحبوبین اور انتخاب گلشنِ اسرار وہ مجموعہ ہائے احوال اور ملفوظات ہیں، جن میں خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کی زندگی اور تعلیمات کی نورانی کرنیں ضوفشاں ہیں۔

(۱۱) مناقب شریف خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کے احوال، مناقب اور ملفوظات کا نہایت ہی اہم اور نادر الوجود مجموعہ ہے۔ حافظ احمد یار پاک پتنی اِس کے جامع اور مرتب ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ میں خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کے سب سے زیادہ مجموعۂ ہائے ملفوظات مرتب اور مدون ہوئے۔ ان مجموعہ ہائے ملفوظات میں مناقب شریف کو جزئیات نگاری اور معلومات آفرینی کے

باعث بے پناہ اہمیت حاصل رہی۔ خواجہ اللہ بخش غریب نواز (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے ایما پر مولوی یار محمد بنڈی نے منتخب مناقب سلیمانیہ (منتخب المناقب) کے عنوان سے اس کی تلخیص کی۔ بعدازاں منتخب المناقب کی اشاعت اور ترویج کی بدولت یہ مجموعۂ مناقب طاقِ نسیاں کی زینت بن گیا اور یوں اس مجموعے کے قلمی نسخے بھی کبھی عام نہیں رہے۔ بیسویں صدی میں خواجہ پیر پٹھان غریب نواز اور اُن کے خلفا کے احوال و سوانح پر خاصا کام ہوا لیکن عدمِ دستیابی کی وجہ سے یہ مجموعہ اُن تحقیقی آثار کے ماخذ اور منابع میں بھی شامل نہیں رہا۔

۹۔نومبر ۲۰۱۰ء کو راقم قبلۂ عالم غریب نواز کے عرس کے موقع پر چشتیاں میں حاضر ہوا، تو پیر محمد اجمل چشتی کے کتب خانے کے نوادر کی زیارت سے بھی فیض یاب ہوا۔ یہاں ایک ہزار دس صفحات پر مشتمل ایک ضخیم نسخہ بھی نظر نواز ہوا، جو اگرچہ ابتدائیے اور ترقیمے سے محروم ہے۔ تاہم ورق گردانی کے دوران میں معلوم ہوا کہ یہ نسخہ کوئی اور نہیں، سلسلۂ چشتیہ سلیمانیہ کی وہی متاعِ گم گشتہ ہے:

اب دیکھنے کو جس کے آنکھیں ترستیاں ہیں

پیر محمد اجمل چشتی کی بندہ پروری سے اس کا عکس فراہم ہوا۔ دورانِ مطالعہ اس مجموعے میں بہادر شاہ ظفر کے پیشِ نظر خطوط بھی جاذبِ نظر ہوئے۔ راقم اس نسخے کے مندرجات کا صفحہ بہ صفحہ اشاریہ مرتب کر رہا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس مجموعے کے کون کون سے احوال و مناقب دوسرے مجموعوں میں مذکور نہیں ہوئے۔

(۱۲) حافظ احمد یار پاک پتن کے متوطن تھے۔ وہ ماہ صفر ۱۲۳۵ھ میں اُس وقت دولتِ بیعت سے سرفراز ہوئے، جب خواجہ پیر پٹھان غریب نواز، خان محمد صادق خان والیِ بہاول پور کی دعوت پر احمد پور میں رونق افروز تھے۔ باغ خانموالا المعروف باغِ نصر خان بلوچ میں ایک تقریب برپا ہوئی، جس میں حافظ صاحب موصوف اُن کے سلکِ غلامی میں سُفتہ ہوئے۔[بحوالہ مناقب شریف : ص ۱۸۸] اُنھوں نے اپنے پیر و مرشد کے احوال اور ملفوظات کا ایک جامع مجموعہ بعنوان مناقب شریف بھی مرتب کیا۔ یہ مجموعہ معرفت و حقیقت کا صحیفہ اور گنجینۂ معنی کا طلسم کدہ ہے۔

(۱۳) مناقب شریف (قلمی)، ص ۴۴۶

(۱۴) مولوی محمد حیات بہاول پور کے متوطن تھے۔[مناقب سلیمانی : غلام محمد خان: احمدی پریس،

دہلی ،ص ۶۷]۔ اُنھیں قبلۂ عالم غریب نواز کے خلیفۂ خواجہ قاضی عاقل محمد کوٹ مٹھن سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔[عدادُ المحبین و ہدمُ المعاندین (قلمی) نور محمد مَلھڈی، ص ۲۵۴] وہ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کے خلیفۂ مجاز تھے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا طویل زمانہ دہلی میں بسر کیا۔ جہاں وہ مختلف مدارس میں علوم دینیہ کی تدریس میں مگن رہے۔ وہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے معاصر تھے اور بعض فقہی مسائل میں اُن سے بحث کا اتفاق بھی ہو جاتا تھا، لیکن مولانا موصوف اُن کے علم و فضل کے بے حد قدر دان اور معترف تھے۔ معروف ریاضی دان مولوی عبد الرحمن نابینا، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حافظ احمد یار کے بقول:

"در دھلی شریف جناب صاحب رشد ارشد بود که اکثر علما و مردم انجا در بیعت شان مشرف اند"۔[مناقب شریف (قلمی) ص ۹۲۵]

بہادر شاہ ظفر کو بھی اُن سے بے پناہ عقیدت تھی، بلکہ وہ:

"کارِ وظائف و شغلِ اشغال بموجبِ گفتۂ مولوی صاحب بعمل می آورد"۔[مناقب شریف، ص ۹۲۵]

وہ اکثر و بیشتر پاپیادہ دہلی سے تونسہ مقدسہ جلوہ آرا ہوتے۔ اُنھوں نے دہلی میں وفات پائی اور خواجہ نظام الدین اولیا کی بارگاہ عرش مقام کے قریب پیوندِ خاک ہوئے۔

(۱۵) میاں حسام الدین چشتی کون تھے؟ تذکرے اور طبقات اُن کے ذکرِ خیر کے ضمن میں خاموش ہیں ۔البتہ اس خط کے تناظر میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تونسہ مقدسہ میں اُن کی آمد و رفت رہتی تھی اور بادشاہِ دہلی سے بھی اُنھیں تعلقِ خاطر تھا۔ تونسہ مقدسہ میں اُن کی آمد و رفت کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ یقیناً پیر پٹھان غریب نواز کی بیعت سے مشرف رہے ہوں گے۔

(۱۶) یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے، مگر مروجہ دیوان میں نہیں ملتا۔ حافظ سے اس کے انتساب کے لیے ملاحظہ ہو: لسان الغیب (جلد اوّل): میر ولی اللہ ایبٹ آبادی: دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد: بارِ پنجم ۲۰۰۱ء

[illegible]

خیر الاذکار فی مناقب الابرار:
تجزیاتی مطالعہ

[۱]

خیر الاذکار فی مناقب الابرار سلسلۂ چشتیہ کا ایک نہایت ہی اہم مجموعۂ احوال و مناقب ہے۔ اس مجموعے میں: فخرِ جہاں شاہ فخر الدین محمد دہلوی، قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی، خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ اور حافظ محمد سلطان پوری کے احوالِ کریمہ اور ملفوظاتِ گرامی شامل ہیں۔ اس دُرِ بے بہا کے مرتب اور جامع مولوی محمد گھلوی ہیں۔ مولوی محمد، گھلواں (علی پور۔ مظفر گڑھ) کے رہنے والے تھے۔ وہ کب پیدا ہوئے اور اُنھوں نے کب وفات پائی؟ تذکرے اور طبقات اُن کے ذکرِ خیر سے خالی ہیں۔ اُن کی زندگی کے اہم احوال اور واقعات پردۂ گمنامی میں ملفوف ہیں، کیونکہ اُنھوں نے خود بھی کہیں اپنے احوال کی صورت آرائی نہیں کی۔ وہ سلسلۂ چشتیہ کے روایتی عجز و انکسار میں رنگے ہوئے تھے۔ لے دے کر خیر الاذکار ہی وہ واحد ماخذ ہے کہ جس میں کہیں کہیں ضمنی طور پر وہ اپنے نصابِ حیات کے مختلف کوائف کی ورق گردانی کرتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن یہاں بھی اُن کی ذاتی کیفیات کا آہنگ اِس قدر مدھم اور مبہم ہے کہ وہ بلند ہو کر سُر تال کی بُنت میں کوئی کردار ادا نہیں کرتا، بلکہ یہ محض لے کی اُٹھان اور طوالت میں معاون ہوتا ہے اور یوں لے کی اس طویل اُٹھان سے رنگ و آہنگ کی پوری اور مکمل تصویر نہیں بن پاتی۔

[۲]

خیر الاذکار کے مطابق: مولوی محمد گھلوی کے والدِ مکرم کا اسمِ گرامی غلام محمد تھا۔ مولوی صاحب موصوف خواجہ نور محمد نارووالہ کے دامنِ رحمت سے وابستہ تھے۔(۱) وہ اپنی زندگی کا طویل دورانیہ: حاجی پور، سلطان پور اور مہار شریف کے مابین محوِ سفر رہے۔ خیر الاذکار سے اُن کے

دیگر اسفار کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ان اسفار سے اُن کی سفر پیمائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی کے مختلف ایام میں وہ کسی بھی مقام پر زیادہ دیر فروکش نہیں رہے۔ خیرالاذکار میں ہے کہ: وہ تین سال مسلسل یارے والی میں اقامت پذیر رہے اور گاہے بگاہے سلطان پور میں حافظ محمد کی صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔ حافظ صاحب موصوف بھی کبھی کبھار بادِ بہاری کی طرح اُن کی طرف ملتفت رہے۔ (۲) باہمی محبت کا یہ سلسلہ حافظ صاحب کی وفات تک جاری رہا۔ بعد میں مولوی محمد گھلوی، حافظ صاحب کے مزارِ فیض آثار کی زیارت سے بھی کسبِ فیض کرتے رہے۔ (۳)

تاریخ مشائخ چشت کے مؤلف پروفیسر خلیق احمد نظامی (م ۱۹۹۷ء) نے مولوی صاحب کو حضرت نارووالہ کے خلفاً میں شمار کیا ہے (۴)، مگر اُن کی خلافت کا ذکر نہ تو خیرالاذکار میں آیا ہے اور نہ ہی دیگر معاصر تذکار میں۔ البتہ اُنھیں کثرت سے اپنے شیخ کی مجالس میں حاضر باشی کی سعادت میسر رہی اور جب بھی وہ اُن کی مجالس سے دور ہوئے، تو مکاتیب کی صورت میں شیخ کی توجہ اور شفقت اُن کے شاملِ حال رہی۔ (۵) وہ ارادت اور عقیدت کا بے مثال مجسمہ تھے اور خیرالاذکار کا ایک ایک لفظ اُن کی محبت اور عقیدت کیشی پر گواہ ہے۔

[۳]

مولوی محمد گھلوی اپنے عہد کے بہت پڑھے لکھے اور عالم و دانا انسان تھے۔ ساری زندگی درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ اُنھوں نے خیرالاذکار کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں اور بہت سی کتابوں پر حواشی اور تعلیقات بھی تحریر کیے۔ شرح نگاری میں بھی وہ بلند مرتبے پر فائز تھے۔ اُن کی کتابیں اُن کی علمی متانت اور وقار کی آئینہ دار ہیں۔ تونسہ مقدسہ اور مکھڈ شریف کے کتب خانوں میں اُن کی مندرجہ ذیل تالیفات محفوظ ہیں:

کتب خانہ تونسہ مقدسہ:

- شرح سکندر نامہ (جلدیں)(۶)
- شرح یوسف زلیخا(۷)
- شرح بوستان (۸)

- حاشیہ تحفۃ الاحرار
- حاشیہ برمخزنِ اسرار
- شرحِ مطلع الانوار(۹)
- شرحِ کریما
- شرحِ تحفۃ النصائح(۱۰)
- شرحِ گلستان
- شرحِ نامِ حق(۱۱)

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈ شریف:

- شرحِ بوستانِ سعدی (۳ نسخے)

مکتوبہ: سید نذر شاہ مکھڈی: ۱۲۸۲ھ

مکتوبہ: عبدالمجید: س۔ن

مکتوبہ: نامعلوم: س۔ن

- شرحِ پند نامہ عطار: (۲ نسخے)(۱۲)

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: س۔ن

مکتوبہ: عبدالمجید: ۱۲۸۸ھ

- شرحِ سکندر نامہ (جزِ اوّل)

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: ۱۲۸۹ھ

- شرحِ سکندر نامہ (جزِ ثانی)

مکتوبہ: اللہ جوایا مہاروی: ۱۲۸۹ھ

- شرحِ یوسف زلیخا جامی (۳ نسخے)

مکتوبہ: عبدالمجید: ۱۲۹۴ھ

- شرح سبحة الابرار جامی (۱۳)

- محمدی شرح حصن الحصین

مکتوبہ: نظام الدین نظامی: ۱۲۲۶ھ

- شرح تحفته النصائح

مکتوبہ: حافظ اللہ جوایا مہاروی: ذی الحج ۱۲۸۷ھ

- شرح شرف نامہ

مکتوبہ: نامعلوم

[۴]

مولوی محمد گھلوی شاعر بھی تھے۔ فارسی اور عربی میں اُن کی منظومات اُن کے تخلیقی شعور اور جمالیاتی وجدان کی ترجمان ہیں۔ خیر الاذکار (نسخہ الف) کے آخر میں اُن کی چار منظومات بھی شامل ہیں۔ اِن تخلیقات کی حیثیت تبرک کی ہے، لہٰذا انھیں یہاں نقل کیا جاتا ہے (۱۴):

نعت

ای سرِ پیغمبران مشتاقِ دیدارِ توام | ای شفیعِ عاصیان مشتاقِ دیدارِ توام
تو پادشاهی من گدا، تو قبله من قبله نما | ای پیشوایِ مرسلان مشتاقِ دیدارِ تو ام
در عرصهٔ کون و مکان ذاتِ خدا حکمی روان | سلطان سریرِ کن فکان مشتاقِ دیدارِ تو ام
دیدی جمالِ کبریا گشتی برازش آشنا | شهبازِ اوجِ لامکان مشتاقِ دیدارِ تو ام
داری جمالِ بوالعجب علم براهت جان بلب | ای راحِ روحِ خستگان مشتاقِ دیدارِ تو ام
از هولِ آن روزِ پسین دارم دلِ اندوهگین | ای چارهٔ بی چارگان مشتاقِ دیدارِ تو ام
جز تو ندارد از کسی اُمیدِ یاری مفلسی | ای غم گسارِ بی کسان مشتاقِ دیدارِ تو ام
زیرِ لوایت انبیا محتاجِ تو شاه و گدا | ای فیض بخشِ همگنان مشتاقِ دیدارِ تو ام

مناجات بجنابِ سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ

یا حبیب الالٰہ خذبیدی　ما لعجزی سواك مستندی

کن رحیما لذلتی و اشفع　یا شفیع الوریٰ الی الصمدی

اعتصامی سوا جنابك لی　لیس یاسیدی من الاحدی

غیر عونك فلیس فی الدارین　لعلیل ذلیل معتمدی

صلواتی علیك فی الماوین　کان متجاوزا الی العددی

و علی اهل بیته طرا　و علی آلہ الی الابدی

و علی الصحب کلهم اجمع　هم نجوم الهدی الی الرشدی

و علی التابعین هم کانوا　لخیام السداد کالو تدی

استغیثو العاجزِ مضطر　شمروا ذیلکم الی المددی

غزل

یاد باد آنکه ترا لطفِ نظر بر ما بود　دستِ ما خیلِ گدا بهره ور از ذیلِ شما بود

طالعِ ما مددی کرد که بستیم بتو　عهدِ شاهی و غلامی که بمیثاقِ وفا بود

شکر صد شکر که ایمانِ من اکنون شده راست　رستم از جهل و خطا قسمتِ ما دینِ هدا بود

شاد ای دل که ز درگاهِ شهان یافته ام　این امان نامۂ ابدی که با مضای خُدا بود

یاد باد آنکه بمشکویِ تو ای بنده نواز　بنده بر شمعِ جمالِ تو عجب شیدا بود

صد چو من محوِ تماشایِ تو در جلوۂ ناز　اندران حلقه زخود رفته و برخاك فدا بود

نیم بسمل شده آنجا زنگاهِ تو دلِ ما　بالله این طرفه ادا بود که در دورِ قضا بود

بزمِ تو رشكِ ارم بود که داریم بیاد　لعلِ تو قوتِ روان خنده طرب افزا بود

یاد باد آنکه بدمسازیِ احباب دگر　حضرتِ وصل توام مایۂ صد ذوق و صفا بود

مصطفی نورِ خُدا نورِ رخش وقفِ شما　لاجرم فیضِ تو برما همگین نور و ضیا بود

صورت و سیرتِ تو همه ارشاد به دل ها بود　قول و فعلِ تو بدین رهبرو هم قبله نما بود

هر زمان ساقی ابرار همی داد بهریت ساغر وحلۂ شوراکه همگی وجد و فنا بود
بندگان مهر ترا یاد کنان آه زنان عیش شاد دار بدان گونه که بابرك و نوا بود
من بدان حضرت علی که غمش سینہ گداخت رسم آخر به نشاطی که بدان دلبر ما بود
گرچه بد کارم و بیکارم اما بدو صد دل دارم امید بشاهی که نگاهش بگدا بود

غزل

صبا بکوچۂ آن یار چون همی گذری اذا لقیت حبیبی فقل له خبری
ترا چه سود که مارا به هجر می سوزی فان فرحت بهذا رضیت فی ضرری
بکنج درد چه شب ها نشسته ام شیدا عسی جمالك یجلو علیّ کالبدری
ز دیرِ عشق نیارم که پا برون آرم هنا یکون مقامی و منتها عمری
بیادِ روی تو از دیگران تهی شده ام فما وجدت ببالی سواك من اثری
بطاقِ ابرویِ تست این دلِ حزین مائل لقد اقرّ سجودی الیك فی القدری
همین بس از تو که داغ غلامیم زده ای فما لعبدك فوق القبول من فخری
شها زلطفِ نگاهی که من گدایِ تو ام علی رضالك طوفی بلطفکم نظری

[۵]

زندگی کے آخری ایام وہ اپنے گاؤں گھلواں میں اقامت پذیر رہے۔ حاجی پور اور اُس کے گردونواح میں مشہور ہے کہ اُن کی وفات گھلواں میں ہوئی، لیکن اُن کی وصیت کے مطابق اُن کا جسدِ خاکی تدفین کے لیے حاجی پور لایا گیا۔(۱۵) اُن کی قبر خواجہ نارووالہ کے مزار کے قریب ہے۔ قبر پر کسی بھی نوع کا کوئی کتبہ نصب نہیں، جس سے اُن کی زندگی کے احوال اور سنۂ وصال کا تعین ہو سکے۔ رانا غلام یٰسین (۱۶) نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ:

"حاجی پور میں مزار شریف میں داخل ہونے کا راستہ (مین دروازہ) شمال کی طرف ہے۔ آگے وسیع صحن ہے۔ پہلے مزار کے اندر جانے کا دروازہ بھی شمال کی طرف تھا، لیکن اب اُسے جالی لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔ اُسی دروازے سے ملحق

مسجد ہے۔اب دروازہ مشرق کی طرف ہے، جس کے آگے ایک ہال ہے۔اُس کے تین دروازے شمال کی طرف ہیں اور تین جنوب کی طرف ہیں۔مزار کے جنوب کی طرف بہشتی دروازہ ہے، جبکہ مغربی سمت میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔مزار شریف کے اندر کل چھے قبریں ہیں۔حضرت ناروواله کے مزار کے مغرب میں بالترتیب تین مزار ہیں۔حضرت خواجہ غلام رسول، حضرت نور محمد ثانی، حضرت محمد ثانی......خواجہ صاحب کے مزار کے مشرق میں بالترتیب دو مزار ہیں۔حافظ محمد سئیں، خواجہ غلام رسول المعروف اللہ ڈیوایا۔مشرقی دروازے کے سامنے ہال سے ملحقہ خواجہ منظور فرید کا مزار ہے۔ہال کے جنوبی دروازوں کے باہر بہشتی دروازے کے مشرق میں تین قطاروں میں کل ۲۳ قبریں ہیں۔بہشتی دروازے سے ملحق مشرق میں پہلا مزار حضرت ناروواله کے والد صاحب کا ہے۔اُس کے بعد ۷ قبریں ہیں۔دوسری قطار میں مغرب سے مشرق میں ۱۰ قبریں ہیں اور تیسری قطار میں پانچ۔باب جنت کے مغرب میں وسیع قبرستان ہے، جو مزار کی پشت سے ہوتا ہوا مسجد تک پھیلا ہوا ہے۔اُسی قبرستان کی جنوبی سمت میں دوسری قطار میں مشرق سے مغرب [کی طرف] کل ۱۰ قبریں ہیں۔مشرق سے مغرب کی طرف گنتی کریں، تو ۴ نمبر پر حضرت گھلوی کا مزار ہے"۔(۱۷)

[۶]

خیر الاذکار فی مناقب الابرار تین فصلوں میں منقسم ہے۔پہلی فصل قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے ملفوظاتِ گرامی کو محیط ہے۔دوسری فصل کی ابتدا میں مؤلف نے اپنے نام خواجہ نور محمد ثانی ناروواله کے چار رقعات نقل کیے ہیں۔مکتوباتِ گرامی کی تحفیظ کے بعد خواجہ ناروواله کے ملفوظات اور احوال قلم بند ہوئے ہیں۔تیسری فصل حافظ محمد سلطان پوری کے احوال و مناقب سے متعلق ہے۔تینوں فصلوں کی ابتدا میں مؤلف نے میاں آدم جیو اور سید علی بخش شاہ اجمیری کی وساطت اور روایت سے تیمناً اور تبرکاً فخرِ جہاں خواجہ فخر الدین محمد دہلوی کے تین واقعات نقل کیے ہیں۔یوں یہ مجموعۂ گرامی چشتیہ سلسلے کے چار جلیل القدر عارفوں کے احوال، مناقب اور ملفوظات

کا ترجمان ہے۔

رسالہ خیرالاذکار کس زمانے میں مرتب ہوا؟ مولوی محمد گھلوی نے کہیں بھی اس راز سے پردہ نہیں اُٹھایا۔ نہ ہی پورے رسالے میں کہیں سنہ و سال کا تذکرہ ہوا ہے کہ جس سے رسالے کی تحریر وتسوید کے زمانے کا اندازہ ہو سکے۔ خود مولوی صاحب کے احوال و آثار کی عدم دستیابی کی وجہ سے بھی اس رسالے کی زمانی حیثیت کا تعین دشوار ہے۔ البتہ خیرالاذکار میں ایک واقعہ مذکور ہے، جس سے رسالے کی ترتیب وتہذیب پر قدرے روشنی پڑتی ہے۔ مولوی محمد گھلوی نے لکھا ہے کہ:

"[نقل از میاں محمد جوئیہ مرحوم آنکہ اهل پردهٔ آنحضرت قبلہ]در حینِ حیاتِ ایشان اکثر اوقات بمرضی گرفتار می بودند و خود بدولت از آمدن و رفتن بمهار شریف برای زیارت و مصاحبتِ حضرت قبلهٔ عالم[وعالمیان] قدس سره هیچ گاهی از عادتِ مستمره تفاوت نمی کردند۔ یکبار چنان اتفاق شد که حضرت مائی صاحبه رضی الله[تعالیٰ]عنها تمام مریضه بودند۔ چنانکه تهیهٔ کفن هم کرده بودندو حضرت قبلهٔ من در آن حین باوجود این شدتِ مرض بسمتِ مهار شریف عازم شدند و خلق الله حیران بود که مریضِ خود را گذاشته چگونه بیرون بسفرمی روند؟چون آنحضرت بدان عزم از شهرِ حاجی پور بیرون آمدند و خلق بسیار برای رخصت برکابِ عالی بود و هر کس را رخصت می فرمودند۔ میاں محمد موسیٰ والا که از غلامانِ حضرت قبلهٔ عالم [ضی الله تعالیٰ عنه]و[از] خادمانِ این حضرت[قبلهٔ عالم]بود و درخدمتِ ایشان تمام گستاخ بود و بی تحاشا هر عرض که کردنی بودی، می کردی۔ نزدیکِ آنحضرت رفته بشوخی گفت که: ترا هیچ کس سخنِ راست نمی گوید که مریض را گذاشته بخدمتِ پیر [و]مرشد می روی۔ این کار که تو می کنی، هیچ کس نمی کند۔ خود بدولت نزدیك شده در گوشِ میاں محمد موسیٰ والا فرمودند که: ای

فلان[میاں]! مریض مذکور درین نوبت نمی میرد۔ پس میاں مذکور دہشت خوردہ باز استاد و تابِ دمِ زدن نداشت۔آخر آن چنان شد کہ مائی صاحبہ رضی[اللہ عنہا]ازان مرض شفا یافت، بلکہ بعد از وِصالِ آنحضرت سی سال زندہ ماندند"۔(۱۸)

خواجہ ناروواِلہ کی اہلیہ محترمہ بقولِ مولوی صاحب: اُن کی وفات کے بعد تیس سال تک زندہ رہیں۔ گویا وہ ۱۲۳۳ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئیں۔ اگر یہ درست ہے، تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ خیرالاذکار ۱۲۳۳ھ کے بعد کہیں مرتب ہوا؟ مگر کس وقت؟...... اِس سوال کا حتمی جواب نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ خیرالاذکار میں اِس ایک واقعے کے علاوہ کہیں بھی کسی طرح وقت اور زمانے کی تعیین کے ضمن میں کوئی ایک آدھ جملہ بھی مذکور نہیں۔

[۷]

خیرالاذکار کی زبان دری فارسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مرتب کا خلوص اور ارادت کیشی اس مجموعے کی حیاتِ دوام کی دلیل ہے۔ اِس میں فکر و فرہنگ کا اسلوبیاتی آہنگ: شعور و ادراک کی جمالیاتی معنویت کو اپنی تمام تر رنگینی اور رعنائی کے ساتھ منکشف کر رہا ہے اور یوں اِس سے ایک طرف حُسنِ خیال کے قرینے اپنے اپنے مدار میں گردش کناں رہتے ہیں، تو دوسری جانب اس کا حُسنِ آہنگ: گنجینۂ معانی کی طلسماتی فضا کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ مولوی محمد گھلوی نے مشاہداتی معنویت اور صداقتِ احساس کے مختلف اور متنوع رنگوں کے امتزاج سے ایک ایسا رنگِ سخن نکالا ہے، جو اُن کے ادبیانہ اسلوب کا ترجمان بھی ہے اور اُن کی متصوفانہ بصیرت افروزی کا علمبردار بھی۔

خیرالاذکار کے پیش منظر میں پھیلتا ہوا تصوف اور عرفان کا منظر نامہ: شعور و خیال کی تابنا کی پر گواہ ہے۔ خیرالاذکار میں عرفان و یقین کی خوشبو بھی ہے اور فقہی مسائل کے رنگ بھی اور یوں خیرالاذکار کی یہ خوشبو اور اِس کا رنگ و آہنگ: فکری اساس اور معنوی طرزِ احساس کے ایسے دریچے وا کرتا ہے، جن سے نظامِ چشت کا دستور العمل اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ منکشف ہوتا ہے اور طرزِ احساس کی یہ معنویت رعنائیِ خیال کے منظر نامے کو اُجال دیتی ہے۔ اُجلے

اُجلے مناظر کی اس رنگینی سے وحدتِ ذات کی جلوہ آرائی کے ایسے موسم طلوع ہوتے ہیں، جن کی بوباس کہیں اور محسوس نہیں ہوتی۔

خیر الاذکار کئی حوالوں سے انفرادیت کا خزینہ ہے۔ اس کی چند نمایاں خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اِس مجموعے میں فخرِ جہاں غریب نواز کی مجالس کے جو تین واقعات آئے ہیں، وہ اِس مجموعے کے علاوہ کہیں اور باصرہ نواز نہیں ہوتے۔

(۲) اس مجموعے میں قبلۂ عالم کے جو ملفوظاتِ گرامی نقل ہوئے ہیں، وہ نہ تو خلاصۃ الفوائد میں آئے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے معاصر مجموعے میں۔ خاص طور پر اُنھوں نے مولوی محمد گھلوی کی فرمائش پر صوفیائے چشت کے اسمائے گرامی اور اُن کے القابات پر حرکات وسکنات کی جو خوب صورت اور عارفانہ توجیہہ کی ہے، وہ اِس سے قبل کہیں اور مذکور نہیں ہوئی۔ بعد ازاں یہ توضیح اور تعبیر خیر الاذکار کے حوالے سے گلشنِ ابرار میں بھی نقل ہوئی ہے اور دوسرے کئی مجموعے بھی اِس کی خوشبو سے معطر ہیں۔

(۳) اِس مجموعے میں خواجہ نارووالہ کے چار مکتوبات بھی نقل ہوئے ہیں اور اُن کے احوال و ملفوظات بھی۔......اُن کے حوالے سے یہ مجموعہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد میں چشتیہ سلسلے کے جتنے تذکرے بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، اُن میں خواجہ نارووالہ کے احوال اور تعلیمات کا مصدر اور مرجع یہی مجموعہ رہا ہے۔

(۴) فخرِ جہاں کے مرید و خلیفہ حافظ محمد سلطان پوری کے احوال و آثار بھی اِس مجموعے کی وساطت سے پہلی بار سامنے آئے۔ اگر یہ مجموعہ حافظ صاحب کے احوال و مناقب کو محیط نہ ہوتا، تو فخریہ سلسلے کے اُس عظیم فرد کے احوال و آثار کہیں پردۂ گمنامی میں گم ہو جاتے۔

(۵) اِس مجموعۂ احوال و مناقب میں متعدد ایسی شخصیات کے نام اور احوال آئے ہیں، جو قبلۂ عالم اور خواجہ نارووالہ کے دائرہ اثر و عقیدت میں بندھے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر لوگ غیر معروف اور گم نام ہیں، لیکن نامقبول نہیں... کیونکہ اُن کا حسنِ قبولیت اِس سلسلے

کی سلک غلامی میں سفتہ ہونے سے عبارت ہے۔

(۶) خیر الاذکار انیسویں صدی میں لکھے گئے چشتیہ سلسلے کے تذکروں کا بنیادی ماخذ اور مخزن رہا ہے۔ مناقب المحبوبین، گلشنِ ابرار، مخزنِ چشت اور تکملہ سیر الاولیا میں اس کے حوالے اور اقتباسات کثرت سے نقل ہوئے۔ مابعد کے تذکروں میں بھی اس کا ذکر تو ہوتا رہا اور آج بھی ہو رہا ہے، لیکن اس کے براہِ راست حوالے اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ یوں لگتا ہے کہ اپنی تحریر و تسوید کے معاً بعد ہی یہ رسالہ کنجِ گمنامی میں دب کر رہ گیا۔ جن ذاتی کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود تھے، اُن کے وارثوں نے اس کی روشنی کو عام نہیں ہونے دیا۔ صوفیانہ ادب کے خزائن کو حرزِ جاں بنانے اور بنائے رکھنے میں بھی کوئی لطف تو یقیناً ہوگا، مگر انھیں عام کرنے اور اُن کی خوشبو کو پھیلانے میں بھی ایک لطف؛ ایک ترنگ اور ایک وجہِ تسکین بہر حال موجود ہے۔

[۸]

خیر الاذکار فی مناقب الابرار کے چار نسخے محفوظ ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

الف: خیر الاذکار (عکسی نسخہ) مملوکہ مولوی محمد رمضان معینی، تونسہ مقدسہ:

خیر الاذکار کے معلوم قلمی نسخوں میں قدیم ترین نسخہ ۱۲۸۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب نے نسخے کے آخر میں ۲۱۔ شوال ۱۲۸۸ھ کی تاریخِ تکمیل لکھی ہے۔ اُس نے مادۂ تاریخ بھی کہا ہے:

چونکہ مرقوم نمودم بتمام
هر دو ملفوظ ز شیخین امام
هاتفی گفت مرا از خوش خوی
زه نکو رخت بتاریخش گوی

'زه نکو رخت' کی ترکیب سے سنہ کتابت ۱۲۸۸ھ بر آمد ہوتا ہے۔ اس نسخے کے کاتب خُدا بخش چوہان ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے اِس رسالے میں کہیں بھی اپنے نام سے پردہ نہیں اُٹھایا۔ البتہ تونسہ مقدسہ کے کتب خانے کی جس جلد میں یہ رسالہ موجود ہے، اُس میں نور رسائل اور

بھی ہیں۔ یہ تمام رسالے اُنھیں کے حسنِ کتابت کا شاہکار ہیں۔ اُنھوں نے انتخابِ گلشنِ اسرار میں لکھا ہے کہ:

"وقتی بر خانقاهٔ حضرت قبلهٔ عالم قدس سره بتقریب عرس شریف این کمترینِ غلامان، یعنی کاتب حروف خُدابخش چوهان غفرالله له العصیان حاضر الخدمت بود"۔(۱۹)

اُس مجلد کے بقیہ رسائل کی تفصیل کچھ یوں ہے:

شرحِ آمنت بالله(۲۰)

فوائدالسالکین(۲۱)

نودونو اسمایِ بابا صاحب(۲۲)

راحت القلوب(۲۳)

مکتوباتِ شاه کلیم الله جهان آبادی(۲۴)

فخر الحسن(۲۵)

خلاصة الفوائد(۲۶)

منتخب المناقب(۲۷)

انتخابِ گلشنِ اسرار(۲۸)

خیرالاذکار کے پیشِ نظر نسخے میں ہر صفحے پر تینتیس سطریں ہیں۔ ہر سطر تقریباً اٹھارہ لفظوں سے مزین ہے۔ کاتب نے ترک کا انتظام تو کہیں نہیں کیا، البتہ ہر صفحے پر رکاب کا التزام ملتا ہے۔ بعدازاں کسی قاری یا رسالے کے مالک نے نسخے پر صفحات نمبر بھی لگائے ہیں اور یوں صفحات کی کل تعداد تینتیس ہے۔ کاتب نے یہ رسالہ بارہ دنوں میں نقل کیا ہے، کیونکہ اُس مجلد میں اِس رسالے سے قبل خلاصة الفوائد کا نسخہ موجود ہے، جس کی تاریخِ تکمیل ۹۔شوال ۱۲۸۸ھ ہے۔

خیرالاذکار کا خط صاف اور خوانا ہے۔ تاہم عکس در عکس کے عمل سے گزرنے کے بعد اس نسخے میں کہیں کہیں لفظوں کی چمک دمک ماند پڑگئی۔ محدب عدسے کی یاوری ایسے مقامات پر

لفظوں کی مانند پڑتی روشنی کو اُجالنے میں معاون ہے۔

مولوی خُدا بخش چوہان، خواجہ پیر پٹھان غریب نواز کے دامن گرفتہ تھے۔ وہ بغلانی (تونسہ مقدسہ) کے رہنے والے تھے اور اپنے پیرو مرشد کی ہدایت پر وہیں درس وتدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کے ملفوظاتی اور طبقاتی ادب کی کتابوں کی نقل نویسی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور پھر اِس کارِ خیر میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اُنھوں نے راحت العاشقین (مولفہ میاں محمد درزی) کا ایک عمدہ انتخاب بھی مرتب کیا، جسے انتخابِ گلشنِ اسرار کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ مولوی خُدا بخش چوہان عربی، فارسی اور پنجابی (سرائیکی) کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ دبستانِ تونسہ کی مختلف کتابوں میں اُن کی شاعرانہ جمالیات اور تخلیقات کے عمدہ نمونے مل جاتے ہیں۔

وہ ۱۳۱۰ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ اُن کی قبر خواجہ گل محمد تونسوی کے مزار کے احاطے کے باہر ہے۔

ب: خیر الاذکار مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی، چشتیاں شریف:

چشتی صاحب کے کتب خانے کا یہ گوہرِ آب دار برادرِ عزیز ومکرم مرزا شہزاد بیگ (استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، چشتیاں شریف) کی توجہ اور کرم فرمائی سے میسر آیا۔

یہ نسخہ احمد یار بن محمد امین (قوم گھلو) کا دست نوشتہ ہے۔ اِس نسخے میں سنۂ کتابت مرقوم نہیں۔ نسخہ چھپن برگ پر مشتمل ہے۔ نسخے کے مالک یا کسی قاری نے سہولت کے لیے اِس پر صفحات نمبر لکھ دیے ہیں۔ اب یہ نسخہ ایک سو بارہ صفحات کو محیط ہے۔ ہر صفحے پر چودہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں تقریباً چودہ، پندرہ الفاظ ہیں۔ نسخہ رکاب کے حسنِ التزام سے مزین ہے۔ آخری آٹھ صفحات میں سے کچھ حصے شاید پھٹ گئے یا دیمک زدہ ہیں، کیونکہ اِن صفحات کی تین تین سطروں میں سے کچھ الفاظ مکمل طور پر گم ہو گئے۔ اِسی طرح دس پندرہ صفحات میں بعض مقامات پر نسخہ یا تو آب دیدہ ہے، یا پھر کسی دوسری افتاد کا شکار رہا ہے، جس کی وجہ سے سطور کے آخری حصوں کے الفاظ کی روشنی یا تو بجھ گئی، یا بالکل مدھم پڑ گئی۔ البتہ مخطوطے کے موجودہ مالک یا کسی دوسرے عقیدت کیش نے کسی

مکمل نسخے کی مدد سے ان صفحات کو مکمل کیا ہے۔ یہ تصحیحات دوسرے نسخوں کے مطابق ہیں۔ ویسے تو یہ نسخہ مکمل ہے، لیکن اس نسخے کی مدد سے منشائے منصف کے مطابق متن کی تدوین ممکن نہیں، کیونکہ آخری آٹھ دس صفحات کے کرم خوردہ مقامات کو قیاسی تصحیح سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے مقامات پر جہاں بعض اشخاص اور مقامات کے اسما آئے ہیں، اگر دوسرے نسخے نہ ہوں، تو محض حسنِ ذوق کی سوزن کاری ان مقامات کی شیرازہ بند نہیں ہوسکتی۔ نسخہ خط شکستہ میں ہے اور کاتب کی پختہ نویسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ صاف اور خوانا ہونے کی وجہ سے نسخے کی خواندگی میں کہیں دقت نہیں ہوتی۔

ج: خیر الاذکار مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور:

اِس نسخے کا عکس برادرِ گرامی ڈاکٹر معین نظامی (سابق صدرِ شعبۂ فارسی، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور) کی کرم فرمائی سے دست یاب ہوا۔

خیر الاذکار کا یہ نسخہ ۱۲۹۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام معلوم نہیں۔ کسی زمانے میں یہ نسخہ مولوی گل محمد جیو کا مملوکہ رہا ہے۔ مولوی گل محمد جیو کون تھے؟ سلسلۂ چشتیہ کے موجود اور معلوم آثار سے اِس شخصیت کی تعیین اور شناخت نہیں ہوسکتی۔ قبلۂ عالم کے چمنستانِ معرفت میں کئی شخصیات گل محمد کے نام سے معروف اور مقبول رہیں اور الحمدللہ آج بھی ہیں۔ کاتب نے مولوی صاحب کے نامِ نامی اسمِ گرامی کے ساتھ اِن القابات کا تذکرہ بھی کیا: 'والامناقب ذوالمجد والمواھب مولوی صاحب مولوی گل محمد جیو سلمہ ربہ......' لیکن محض اِن القابات کی روشنی میں کسی ایک گل محمد تک رسائی ممکن نہیں۔

خیر الاذکار کا یہ نسخہ چھہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر بیس سطریں ہیں اور ہر سطر تقریباً پندرہ الفاظ کو محیط ہے۔ نسخہ مکمل ہے، سوائے اُن مقامات کے جو بوسیدگی کے باعث مرورِ ایام کی نذر ہوئے، یا کرمِ کتابی کا رزق بن گئے۔ دیمک کی دست برد سے اس نسخے کا کوئی صفحہ بھی محفوظ نہیں۔ دس بارہ مقامات پر صفحات بوسیدہ ہو کر پھٹ گئے اور عبارت گم ہوگئی۔ یہ مقامات ناخوانا ہیں۔ اگر باقی نسخے موجود نہ ہوں، تو محض اِس نسخے کی مدد سے مکمل متن کی تہذیب اور

بازیافت ممکن نہیں۔

کاتب کا خط اچھا نہیں، البتہ صاف ہے، جس کے باعث پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی۔

د: خیر الاذکار (نامکمل عکسی نسخہ) مملوکہ مولوی محمد رمضان معینی، تونسہ مقدسہ:

خیر الاذکار کا یہ نسخہ خواجہ محمد شریف مہاروی کے حکم اور ایما پر فضل بن میاں صدیق اوترا نے لکھا۔ نسخے کی کتابت ۱۲۔ شعبان ۱۳۰۷ھ کو مکمل ہوئی۔ کاتب اسلام پور (ڈیرہ غازی خان) کا متوطن تھا۔ نسخہ صاف اور عمدہ ہے۔ اگر یہ نسخہ مکمل ہوتا، تو معلوم نسخوں میں اپنے حسنِ کتابت کے باعث سب سے زیادہ اہم اور قیمتی ہوتا۔

پیشِ نظر نسخے کا آغاز 'سلام برسد۔ رقعۂ چہارم......' سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ نسخہ آخر تک مکمل ہے۔ اس کے ابتدائی صفحات کیا ہوئے؟ کچھ معلوم نہیں۔ موجودہ نسخے کے حاشیے بھی کہیں کہیں سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس نسخے کے ابتدائی صفحات بھی کہیں پھٹ کر ضائع ہوگئے۔ البتہ یہ نسخہ کرمِ کتابی کی دست برد سے مکمل طور پر محفوظ رہا ہے۔ نسخے کے پچھتر صفحات ہیں۔ ہر صفحے پر تیرہ سطریں ہیں اور ہر سطر تقریباً تیرہ لفظوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

[۱۰]

خیر الاذکار کے ان چار نسخوں میں کہیں بھی کوئی ایسا تفاوت نظر نواز نہیں ہوا، جو معنوی اعتبار سے متن کو متاثر کر رہا ہو۔ نسخہ 'ب' اور 'ج' میں بہت ہی کم مقامات پر لفظی اختلاف ہے اور جہاں کہیں اختلاف در آیا بھی ہے، تو وہ محض الفاظ کے چھوٹ جانے یا سہوِ کاتب کی وجہ سے ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ دونوں نسخے کسی ایک ہی نسخے سے نقل ہوئے ہیں، کیونکہ ان میں جملوں کی ساخت، لفظوں کے فنی دروبست اور شخصیات کے اسما اور القابات میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ نسخہ 'د' بھی ان دو نسخوں سے زیادہ مختلف نہیں۔ البتہ نسخہ 'الف' اور یہ تینوں نسخے لفظی اور افعالی اعتبار سے خاصے مختلف ہیں۔ اختلاف کی جتنی بھی صورتیں تقابلی مطالعے کے باعث سامنے آئی ہیں، وہ لفظی اور افعالی اختلافات پر مبنی ہیں اور کاتبوں کا تصرف معلوم ہوتی ہیں۔ ورنہ

پیشِ نظر تمام نسخے معنوی اعتبار سے ہر قسم کے اختلافات سے محفوظ ہیں۔ ان میں کوئی ایک جملہ بھی خیر الاذکار کے معنوی نظام پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

[۱۱]

خلاصة الفوائد کے مرتب قاضی محمد عمر حکیم کو خواجہ نارووالہ کا مرید بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ جہاں بھی یہ مذکور ہوا ہے، وہاں کوئی دلیل یا شہادت نہیں دی گئی۔ اوّل اوّل مناقب المحبوبین اور گلشنِ ابرار میں یہ غلطی در آئی اور بعد ازاں تاریخِ مشائخِ چشت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ راقم نے اپنے ایک مضمون بعنوان: خلاصة الفوائد: سلسلۂ چشتیہ کا ایک اہم مجموعۂ ملفوظات (۲۹) میں اُنھیں قبلۂ عالم کا دامن گرفتہ کہا ہے۔ اُس وقت میرے سامنے بھی کوئی واضح دلیل موجود نہیں تھی، لیکن خلاصة الفوائد کے کئی وجدانی اشارے ضرور پیشِ نظر تھے، جن کی بنیاد پر میں نے اُن کی بیعت کا انتساب خواجہ نارووالہ کے بجائے قبلۂ عالم کی طرف کیا۔ الحمد للہ اب خیر الاذکار کے مطالعے کے دوران میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ راقم کا خیال درست تھا۔ خواجہ نارووالہ اپنی وفات سے چند روز قبل سیت پور میں قاضی محمد عمر حکیم کے زیرِ علاج تھے۔ مولوی محمد گھلوی رقمطراز ہیں کہ:

> "روزی کہ قاضی موصوف حضرت قبلۂ من قدس سرہ را ضعفِ تمام دید، چشم تر کردہ عرض نمود کہ: او تعالیٰ بکرمِ خویش آن ذات را شفایِ کلی عطا فرماید......"۔(۳۰)

مولوی محمد گھلوی نے 'قبلۂ من' کہہ کر اِس افق پر پڑی دھند کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اگر قاضی صاحب خواجہ نارووالہ کے دائرۂ ارادت میں سُفتہ ہوتے، تو مولوی گھلوی اپنے شیخ کو 'قبلۂ من' کہہ کر اُن کا تذکرہ نہ کرتے، جبکہ مخاطبین میں قاضی صاحب بھی شریک تھے۔ لازم تھا کہ خواجہ صاحب کا ذکر 'قبلۂ ما' کہہ کر کیا جاتا۔ ویسے احسن صورت تو 'شیخِ خود' کی ترکیب سے صورت پذیر ہوتی۔

مولوی محمد کا اِس مقام اور محل پر 'قبلۂ من' کہنا دراصل اِس بات کا ثبوت ہے کہ قاضی محمد عمر

حکیم، قبلۂ عالم کے مرید تھے۔[ارقم: مجلّہ دارارقم ماڈل کالج، راولاکوٹ: ۲۰۱۰ء/ خیرالا ذکار فی مناقب الابرار: مولوی محمد گھلوی: قلمکار بیٹھک، واہ کینٹ: ۲۰۱۰ء]

حوالے اور حواشی:

(۱) الف: "امابعد میگوید[بندۂ] عاصی خاکپای درویشان و گردِ راهِ دل ریشان راجی[الی] رحمة الله الصمدمحمد ابنِ غلامِ محمد که یکی از غلامانِ حلقه بگوش خواجه صاحب هادی فرقۂ طلاب شمس العارفین قطب السالکین[غلامِ] رحمة للعلمین محوِ انوارِ واحدیت مستغر[ق] بحارِاحدیت محبوب ربانی مظهرِ اسرارِ یزدانی حضرت قبله خواجه نور محمد ثانی است رضی الله[تعالی] عنه[ارضاه] وجعل الجنته مثواه"۔[خیرالاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ '۱'الف] مولوی محمد گھلوی نے شرح تحفة النصائح میں اپنا تعارف یوں کرایا ہے: "امابعد می گوید احقرعبادالله العلام الصمد عبدمحمد ابنِ غلامِ محمدغفرالله له و لوالدیه واحسن البهماو الیه"۔[مطبع محمدی، لاہور: ۱۸۸۲ء: ص۲]

ب: "هنگامی که بنده را بعد از فراغ تحصیلِ علم بشرفِ بیعتِ خویش سرفراز [وممتاز] فرمودند۔ درآخر تلقین چنین فرمودند که: اگر کسی از شما مسئلۂ شرعی بپرسد، از کتاب دیده بگوئید۔ازتاثیراین لفظِ مبارك هر جا که می باشم از سفرو حضر مردم ازمن مسائلِ شرعی می پرسند و بیان می کنم"۔[خیرالاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ: ۷'ب']

(۲) "درایامی که بنده در قریۂ یاری والی نزدیكِ سلطان پور اوقات گذاری داشت۔ اکثر بخدمتِ حافظ صاحب می رفتم و فوائدِ ایشان می گرفتم۔ ایشان هم از راهِ کرم و بنده نوازی نزدِ فقیرمی آمدند و اندك اتفاق افتاده باشد که بنده بخدمتِ ایشان رفته باشد و ایشان بمکانِ بنده تشریف آوری نفرموده باشند۔ از این معنی که ذاتِ شریفِ ایشان حرج آمدن می کرد۔ بسیار تنگ دل می شدم و پیش ایشان عرض می کردم که :بنده جهتِ حصولِ سعادتِ خود بزیارتِ سامی می آید، شما

چرا این حرج می فرمایند؟ گاهی درجوابِ بنده سکوت می کردند و گاهی می فرمودند که: دلِ ما،هم دیدنِ شما را می خواهد۔ تامدتِ سه سال این آمد[و]رفتِ طرفین بیك دیگر متوالی بود که به تقدیرِ الٰهی از آنجا کوچیده در گهلوان آمده مقیم گشت و دولتِ سعادتِ زیارت و پای بوسی ایشان گاهی گاهی میسر می شد"۔ [خیرالاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ ۱۵ الف وب]

(۳) "آخر تابقضای او تعالیٰ صورتِ و صالِ حافظ صاحب بوقوع آمد و بنده بزیارتِ مزارِ فیض آثار مشرف شد"۔ [خیرالاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ ۱۵ 'ب']

(۴) جلد پنجم: دلّی، ادارۂ ادبیات: ۱۹۸۴ء: ص ۲۷۷

(۵) مولوی محمد گھلوی کے نام خواجہ نارووالہ کے چار رقعات اس مجموعے میں شامل ہیں۔ اگرچہ اُن کے نام کافی خط لکھے گئے، مگر وہ اُن کے پاس محفوظ نہیں رہے۔ جیسا کہ اُنھوں نے خود لکھا ہے کہ:

"رقعه هایِ آنحضرت زیاده ازین بود، امابعضی از من گم شده، آنچه موجود است، درنگارش می آید"۔ [خیرالاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ ٦ 'ب']

(٦) شرحِ سکندرنامه دو جلدوں میں مطبع مفید عام، لاہور سے ۱۹۱۲ء سے شائع ہوئی۔ جلد اوّل کے صفحات ۳۸۰ ہیں، جبکہ جلد دوم ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) شرحِ یوسف زلیخا ...... شرحِ محمدیه کے عنوان سے اللہ بخش جلال الدین (لاہور) کے اہتمام سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔ صفحات کی تعداد ۱۷۵ ہے۔

(۸) بوستانِ سعدی کی شرح مطبع محمدی، لاہور سے ۱۸۷۷ء کو چھپی۔ اس کے صفحات کی تعداد ۴٦۴ ہے۔

(۹) شرحِ مطلع الانوار کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد میں بھی محفوظ ہے۔

(۱۰) یہ مولانا یوسف، مریدِ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی کی فقہی کتاب کی شرح ہے۔ مطبع گلزارِ محمدی، لاہور سے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ شرح کا عنوان هدية الروايح في حلِ

تحفۃ النصایح ہے۔ صفحات ۲۸۶ ہیں۔

(۱۱) شرحِ نامِ حق مجتبائی پریس، لاہور سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔

(۱۲) یہ شرح گلزارِ محمدی پریس، لاہور سے ۱۸۹۴ء کو شائع ہوئی۔ اِس کے صفحات ۱۲۷ ہیں۔

(۱۳) شرحِ سبحۃ الابرار کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ گنج بخش میں محفوظ ہے۔[حاشیہ نمبر ۶ تا ۱۳ کی معلومات ڈاکٹر ظہور الدین احمد کی کتاب پاکستان میں فارسی ادب (جلد پنجم) سے ماخوذ ہیں۔ ۱۹۹۰ء:ص ۲۵۹ تا ۲۶۵]

(۱۴) مولوی خُدا بخش چوہان نے اپنے مکتوبہ نسخے کے آخر میں مولوی محمد گھلوی کی یہ چار منظومات نقل کی ہیں۔ راقم نے ایک تو اِن کی ترتیب بدل دی ہے اور دوسرا یہ کہ ایک غزل کو نعت کے عنوان سے موسوم کیا ہے۔ اِن منظومات کے کل اشعار ۴۰ ہیں۔ پہلی غزل [یاد باد آنکہ ......] عروضی آہنگ کی صوتیات کا ساتھ نہیں دے رہی۔

(۱۵) اولیائے بھاول پور کے مؤلف نے مولوی محمد گھلوی کے مدفن کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، وہ درست نہیں۔[رک: اولیائے بھاول پور :مسعود حسن شہاب: بہاول پور، اردو اکیڈمی: ۱۹۸۹ء:ص ۱۴۴]

(۱۶) رانا غلام یٰسین جام پور (راجن پور) کے گورنمنٹ کالج میں اردو کے لیکچرار اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد میں پی ایچ ڈی (اردو) کے اسکالر ہیں۔

(۱۷) مکتوب بنام راقم الحروف: ۲۴۔اپریل ۲۰۱۰ء

(۱۸) خیر الاذکار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خُدا بخش چوہان: ۱۲۸۸ھ: برگ ۹ 'ب'

(۱۹) انتخابِ گلشنِ اسرار کا نسخہ منتخب المناقب کے حاشیے پر لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۸۸ پر یہ عبارت موجود ہے۔ اِس عبارت سے بیک وقت دو امور پایۂ تحقیق کو پہنچ رہے ہیں:

(الف): یہ کہ اِن کتابوں کے کاتب مولوی خُدا بخش چوہان ہیں۔

(ب): یہ کہ انتخابِ گلشنِ اسرار کے مرتب مولوی خُدا بخش چوہان ہیں۔

اِس انتخاب کا ایک اردو ترجمہ بھی گلشنِ ابرار کے عنوان سے چھپا ہے، جس میں مرتب کے نام کی صراحت نہیں کی گئی۔ مترجم نے اِسے مولوی میاں محمد درزی کے نام سے موسوم کیا ہے، جو درست نہیں۔ اِس کے ترجمہ نگار مولوی اللہ بخش رضا ہیں۔

(۲۰) شرح آمنت باللہ قطب الحق والدین بختیار کاکی سے منسوب رسالہ ہے۔

(۲۱) فوائد السالکین بابا قطب الدین بختیار کاکی کے ملفوظاتِ گرامی کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ چھپ چکا ہے اور اِس کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے۔

(۲۲) نو دو نو اسمائے بابا صاحب دو ورق پر مشتمل ایک رسالہ ہے، جس میں بابا صاحب کے ننانوے نام لکھے گئے ہیں۔ اِس کے مرتب کون ہیں؟ یہ تو معلوم نہیں۔ البتہ یہ رسالہ نہایت شاندار ہے۔ لگتا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں اِس رسالے کی حیثیت ایک تبرک اور ورد وظیفے کی سی رہی ہے۔

(۲۳) راحت القلوب بابا فرید الحق والدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ بزمِ فرید کے عنوان سے ملا واحدی نے اِس کا اردو ترجمہ کیا۔ بعدہٗ یہ ترجمہ عابد نظامی صاحب کے پیش لفظ کے ساتھ راحت القلوب کے نام سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے بھی اشاعت پذیر ہوا۔ راحت القلوب (فارسی) کے پچاسوں قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

(۲۴) مکتوباتِ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، مکتوباتِ کلیمی کے عنوان سے ۱۳۰۱ھ میں یوسفی پریس، دہلی سے شائع ہوئے۔ اِس مجموعے میں ایک سو اکتیس خط شامل ہیں، جن میں سے زیادہ تر خطوط حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھے گئے۔ تربیت، مجاہدہ، عرفان اور یقین اِس مجموعے کے بنیادی موضوعات ہیں۔ چشتیہ ادب میں یہ مجموعہ اپنے فکری اور معنوی مندرجات کے اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

(۲۵) فخرِ جہاں خواجہ فخر الدین محمد دہلوی نے شاہ ولی اللہ کے ایک اعتراض کے جواب میں فخر الحسن کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی، جس میں مستند حوالوں سے ثابت کیا کہ خواجہ حسن بصری نے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے براہِ راست استفادہ کیا۔ بعدازاں مولانا حسن الزماں حیدر آبادی نے القول المستحسن فی فخر الحسن کے عنوان سے اِس کی شرح لکھی۔

(۲۶) خلاصۃ الفوائد قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اِس کے مرتب قاضی محمد عمر حکیم سیت پوری ہیں۔

(۲۷) مناقب شریف (ملفوظاتِ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز) حافظ احمد یار پاک پتنی کا مرتبہ مجموعہ

ملفوظات ہے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے حکم اور ایما پر مولوی یار محمد ساکن بنڈی نے منتخب المناقب کے عنوان سے اس کی تلخیص کی۔ انتخابِ مناقبِ سلیمانیہ کے عنوان سے یہ مجموعہ پہلی بار ۱۳۲۵ھ میں حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور سے شائع ہوا۔ مولوی اللہ بخش رضا نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس مجموعے کے کئی قلمی نسخے چشتیہ سلسلے کی خانقاہوں کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

(۲۸) راحت العاشقین: گلشنِ اسرار کے عنوان سے بھی معروف ہے اور اخیار الاذکار فی احوالِ مختار الاخیار بھی اسی کا نام ہے۔ مولوی چوہان نے اس کتاب کا ایک انتخاب کیا ہے، مگر اُسے کسی نام سے موسوم نہیں کیا اور یوں عرفِ عام میں اُسے گلشنِ اسرار کہہ دیا جاتا ہے، جس سے غلطی در آنے کا اندیشہ ہے۔ لازم ہے کہ اُس انتخاب کو انتخابِ گلشنِ اسرار کہا جائے، تا کہ وہ مجموعہ گلشنِ اسرار / راحت العاشقین / اخیار الاذکار سے علیحدہ حیثیت میں شناخت کیا جا سکے۔

(۲۹) دریافت مجلہ شعبۂ اردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، شمارہ ۹: ۲۰۱۰ء، ص ۱۵ تا ۲۰

(۳۰) خیر الاذکار فی مناقب الابرار (قلمی نسخہ): مولوی محمد گھلوی: کاتب مولوی خدا بخش چوہان :۱۲۸۸ھ: برگ ۱۸ الف



11A

[illegible]

نسبت و از اینجاست که چنانچه بوقت مرض وصال قدس سره بود بیاران

وصیت کرده بودند که نسبت وصال ما سه امر بجا آرید یکی آنکه قرآن شریف را

بخوانید و ختم آن حاضر آرید دوم آنکه گوسفند بسیار ذبح نمایند و [illegible]

[illegible] که [illegible] است [illegible]

تمام شهر تحفه جان بجای آرد که تشنه مبارک آنحضرت قبله ارواح

به غربای گردن جان [illegible] که گویا در راه دولت یک گوسفند [illegible]

شد سوم آنکه ده هزار نفر از یاران در آنوقت حلقه ساخته

ذکر لا اله الا الله کنند که [illegible] تا [illegible]

[illegible] که کار رسیده بود [illegible] و شمال آنحضرت [illegible]

در [illegible] راه [illegible] آمد یاران [illegible]

[illegible] شنیده بیاد دارم که از زبان میان محمد بخش [illegible]

[illegible] و میان محمد [illegible] آنحضرت قبله [illegible] علیهم

[illegible] ذکر لا اله الا الله [illegible]

نقلست میکرد که قلب پاک آنحضرت قبله رضی الله تعالی عنه بعد از
وصال تا آنکه غسل نداده بودند ذکر الله الله الله بود که محمد بخش
نزدیک شده این آواز شنید و دیگران از خبر نبود که دو لوله فراق
آنحضرت همگنان در جزع و فزع و اندوه بودند چون نزدیک شاه پور
بر کناره قطب واه غسل دادند آن ذکر قلبی بس شد و اینمعنی مراعات
امر شریعت مظهر بود که بدان آدمی تحرک در حکم ناپاکی افتد پس آن
حضرت قبله از راه دل ذاکر بودند که مثل الذاکر کمثل الحي ومثل الغافل كمثل الميت
پس آنحضرت قبله را عجب مشغولی بود که هیچگاه غفلت بریشان راه
نیافت حق سبحانه وتعالی از فیض بهره بغلامان رساند که بیاد حق
مشاغل باشند الحمد لله تعالی حمداً کثیراً والصلوة علی نبیه بکرةً واصیلاً

تمت الرسالة المبارکة المسمات بتحیر الاذکار لفیض پروردگار حسب الحکم حضرت
خواجه محمد شریف مهاروی دام برکاته بید فقیر حقیر احقر العباد غلام تراب الاقدام عاجز
پر معاصی فضل بن میان صدیق اوتر ساکن اسلام پور ضلع دیره غازیخان بوقت
نماز ظهر بیوم یکشنبه یازدهم ماه شعبان المعظم سنه ۱۳ هجری

علامہ اقبال کی تین نادر اور غیر مدوّن آرا:

تعارف اور بازیافت

[۱]

شمس الاطبا حکیم غلام جیلانی (۱۸۷۳ء۔۱۹۲۶ء) اپنے وقت کے نہایت ہی معتبر اور معروف طبیب تھے۔ بقولِ پروفیسر محمد اسلم: "۱۸۹۵ء میں برطانوی حکومت نے اُنھیں ایران میں برٹش ایجنٹ مقرر کیا"۔(۱)

وہ حسام الدولہ حشمت الملک والیِ سیستان کے مشیرِ طبّی بھی رہے۔ یہ سلسلۂ ملازمت ۱۹۰۶ء تک رہا۔ اُس کے بعد وہ لاہور آ گئے اور مطب کرنے لگے۔ وہ طبیہ کالج، دہلی کے مختلف درجوں کے امتحانات کے ممتحن؛ ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ممبر اور انجمنِ طبیباں پنجاب، لاہور کے صدر بھی تھے۔ پروفیسر محمد اسلم رقمطراز ہیں کہ: "اُن کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں حکومت نے اُنھیں 'خان صاحب' کا خطاب عطا کیا اور اطبا نے اُنھیں شمس الاطبا کہنا شروع کیا"۔(۲)

اُنھوں نے اپنی منصبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علمِ طب اور علمِ ادویہ پر اعلیٰ درجے کی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں سے چند ایک نمایاں کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) مخزن الادویہ (دو جلدیں) (۲) تاریخ الاطبا (۳) علاج المفردات (۴) طبِ یونانی (۵) مخزن الحکمت

[۲]

مخزن الحکمت کا تیسرا ایڈیشن (مطبوعہ در ۱۹۱۶ء) پیشِ نظر ہے۔ ۱۵۷۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب پر علامہ اقبال نے ایک مختصر سی تقریظ تحریر فرمائی۔ اِس تقریظ کے علاوہ مخزن الحکمت پر ڈاکٹر ضیاالدین احمد، حکیم محمد اجمل خاں، حکیم رضی الدین احمد خاں، حکیم محمد عبدالعزیز اور حکیم غلام مصطفیٰ کی تقاریظ بھی شامل ہیں۔ اسی کتاب کے آخر میں (صفحہ ۱۵۶۱ تا ۱۵۶۶) حکیم صاحب کی ایک دوسری تصنیف تاریخ الاطبا کے بارے میں علامہ اقبال سمیت حسب ذیل نامور

علماً اور حکماً کے تأثرات شامل ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد، مولانا ظفر علی خاں، میر احمد شاہ رضوانی، مفتی انوار الحق، خواجہ دل محمد دل اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد وغیرہم۔

مخزن الحکمت پہلی بار ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اُس ایڈیشن میں علامہ اقبال کی تقریظ کی شمولیت خارج از امکان ہے، کیونکہ وہ اُس زمانے میں یورپ میں مقیم تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ علامہ موصوف نے یہ تقریظ دوسرے ایڈیشن (مطبوعہ در ۱۹۱۰ء) کے لیے تحریر فرمائی ہوگی، کیونکہ اُس زمانے میں وہ گورنمنٹ کالج، لاہور میں استادِ فلسفہ تھے۔ اگر اُن کی یہ تقریظ پہلی بار تیسرے ایڈیشن میں شامل ہوئی ہوتی، تو تقریظ پر علامہ کے نام اور تحصیلات کے ارقام کے بعد پروفیسر آف فلاسفی گورنمنٹ کالج، لاہور کے ساتھ 'سابق' کا لفظ ضرور لکھا جاتا۔ چونکہ ہمارے سامنے کتاب مذکورہ کے پہلے دونوں ایڈیشن نہیں ہیں، اس لیے وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اُن کی یہ تحریر، پہلی بار کس ایڈیشن میں شائع ہوئی؟ تیسرے ایڈیشن میں بھی اِس تقریظ کے پہلی یا دوسری بار چھپنے کی صراحت موجود نہیں۔ ہاں اگر اس بات ہی کو صحیح مان لیا جائے کہ پہلی بار یہ تقریظ ۱۹۱۶ء کے ایڈیشن میں شائع ہوئی، تو بھی اس کو اشاعت پذیر ہوئے، پچانوے سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ چونکہ مخزن الحکمت پر علامہ اقبال کی تقریظ اور تاریخ الاطبأ پر اُن کا تبصرہ علمائے اقبالیات کی نظروں سے ہنوز پوشیدہ ہیں، اس لیے اُمید ہے کہ ان کی بازیافت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

[۳]

ذیل میں مخزن الحکمت اور تاریخ الاطبأ پر علامہ اقبال کی تقریظ اور تبصرہ ملاحظہ ہوں:

"تقریظ از جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی و بیرسٹر ایٹ لا، فیلو پنجاب یونی ورسٹی، پروفیسر آف فلاسفی، گورنمنٹ کالج، لاہور

مخزن الحکمت مصنفہ جناب شمس الاطبأ کو میں نے نہایت شوق سے پڑھا ہے۔ خصوصاً اس کے ایسے تمام مقدمات کو، جن میں طبِ قدیم و جدید کے مسائل اختلافی یا اتفاقی پر تنقیدی بحث کی گئی ہے۔ میں وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ کتاب مخزنِ حکمت یا گھر کا حکیم و ذاکٹر اُردو زبان کے طبی لٹریچر میں ایک نہایت ہی مفید اضافہ ہے اور مصنف کے لیے باعثِ امتیاز ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب عوام الناس

کے لیے نہایت کارآمد ہے اور خصوصاً یونانی طب کے جاننے والوں کے لیے کہ جنھیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ جدید طبی ترقیات کو معلوم کرتے رہیں۔ میں قابل مصنف کو ایک ایسی مفید و خاص و عام کتاب کی تصنیف و اشاعت کے لیے مبارک باد دیتا ہوں اور میری یہ عین خوشی ہے کہ مخزنِ حکمت کی ہندوستان میں کثرت سے اشاعت ہو''۔(۳)

تاریخ الاطبأ کے بارے میں، جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لا، فیلو آف دی پنجاب یونی ورسٹی فرماتے ہیں:

''تاریخ الاطبأ اُردو علم و ادب میں ایک نہایت ہی مفید اضافہ ہے۔ جناب شمس الاطبأ اپنی تالیفات کو ناظرین کے لیے دلچسپ بنانے میں خاص قابلیت و سلیقہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مخزنِ حکمت و مخزن الادویہ کی تصنیف و تالیف سے ملک میں اُن کی بہت شہرت ہو چکی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اُن کی یہ جدید تالیف، یعنی تاریخ الاطبأ بھی مقبول خاص و عام ہوگی، اِس لیے بھی کہ یہ نہایت سلیس اور دلچسپ طریق میں لکھی گئی''۔(۴)

[۴]

علامہ اقبال کی تیسری نادر رائے محمد الدین فوق کی کتاب ملك العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی مع تاریخِ سیالکوٹ و مشاہیرِ سیالکوٹ پر دیباچے کی صورت میں اشاعت پذیر ہوئی۔ فوق صاحب علامہ کے عقیدت گزاروں اور ارادت کیشوں کی صفِ اوّل میں شامل تھے۔ علامہ اقبال اُن کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور اُن کے علمی اور ادبی کاموں کو نگاہِ استحسان سے دیکھتے تھے۔ مولانا عبدالحکیم کے عنوان سے لکھی گئی علامہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں کہ اُنھوں نے کس طرح عبدالحکیم کے فکر و فن پر اپنی گراں قدر رائے کا اظہار فرمایا ہے:

''مولوی عبدالحکیم علیہ الرحمۃ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہوئے، جو شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں اسلامی علوم کی ایک مشہور درس گاہ تھی۔ اُن کی عالمگیر شہرت آخر شاہجہان تک پہنچی، جس نے اُن کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ دربارِ دہلی میں بادشاہ کے اشارے

سے بڑے بڑے معرکتہ الآرا[معرکہ آرا] مذہبی و فلسفیانہ مباحث ہوا کرتے تھے، جن میں سیالکوٹی فلسفی کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں وسطِ ایشیا اور ایران کے حکما کو محوِ حیرت کیا کرتی تھیں۔ اُن کی فلسفیانہ تصانیف میں: سیلکوتی علی التصورات ایک مشہور رسالہ ہے جو کچھ مدت ہوئی، مصر میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کی اور بھی کتابیں ہیں، جو اسلامی ممالک میں بہت مقبول اور ہردلعزیز ہیں۔ توحیدِ باری تعالیٰ پر بھی اُن کا ایک خاص رسالہ جو شاہجہان کی فرمائش سے لکھا گیا تھا، میری نظر سے گزرا ہے، مگر غالباً آج تک شائع نہیں ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن کے خیالات کا بیشتر حصہ اب تقویمِ پارینہ ہے، لیکن اسلامی فلسفے کا مورّخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ سیالکوٹ میں اُن کی مسجد اور تالاب اب تک اُن کی یادگار ہیں، مگر افسوس ہے کہ اُن کا مزار جو تالاب کے قریب ہی واقع ہے، نہایت کس مپرسی کی حالت میں اہلِ سیالکوٹ کی بے حسی اور مردہ دلی کا گلہ گزار ہے۔ منشی محمد الدین صاحب فوق نے جن کی تاریخی کُرید مشہور ہے، مولانا مرحوم کے حالاتِ زندگی لکھ کر ملک اور قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اُن کی یہ تصنیف نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ اس رسالے میں ضمناً سیالکوٹ شہر کے تاریخی حالات بھی ہیں، جو نہایت تجسّس اور تلاش سے فراہم کیے گئے ہیں۔ اہلِ سیالکوٹ کو ان حالات سے بالخصوص دلچسپی ہوگی۔ ۳۔ دسمبر ۱۹۲۴ء'' (۵) [روزنامہ نوائے وقت، اسلام آباد: ۲۴۔ اپریل ۱۹۹۷ء]

حوالے:

(۱) حفتگانِ خاکِ لاهور: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانش گاہِ پنجاب، لاہور: بار اوّل ۱۹۹۳ء: ص ۱۲۹

(۲) محولہ بالا: ص ۱۲۹۔ ۱۷۰

(۳) طبّی کتب خانہ، گمٹی بازار، لاہور: بار سوم ۱۹۱۶ء: ص ۱۸

(۴) مخزن الحکمت: ایضاً: ص ۱۵۶۲

(۵) ملك العلماء علامه عبدالحكيم سيالكوتی مع تاريخِ سيالكوت و مشاهيرِ سيالكوت: ظفر برادرس تاجرانِ کتب، لاہور: ۱۹۲۴ء/۱۳۴۲ھ: ص ۳

ایک قدیم خطی بیاض کا تعارفی مطالعہ

[۱]

سلطانپور...... حسن ابدال کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو پچھلی دو تین صدیوں سے علم و ادب کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ یہاں کی خانقاہ اور دینی مدرسے (دارالعلوم حمیدیہ) کے کتب خانے میں عربی اور فارسی کے بیسیوں قلمی نسخے محفوظ ہیں، جن میں سے چند ایک اپنی ندرت اور کمیابی کی بنا پر بہت اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر سفیر اختر نے ایک مضمون کی صورت میں اُس کتب خانے کے مخطوطات کا ایک تعارفی جائزہ ترتیب دیا تھا، جو فکر و نظر (۱) میں اشاعت پذیر ہوا، لیکن اُس مضمون میں پیشِ نظر بیاض کا ذکر نہیں آیا، یا تو یہ بیاض اُس دور میں کتب خانے کی زینت نہیں تھی، یا پھر ڈاکٹر صاحب موصوف کی نگۂ انتخاب سے محروم رہی۔ کوئی دو دہائی پیشتر، یہ بیاض مجھے اٹک کے معروف عالم اور محقق چودھری غلام محمد المعروف بہ نذر صابری کے ہاں باصرہ نواز ہوئی اور ۱۹۹۲ء میں اُن کے اذن اور اجازت سے اس کی عکسی نقل میسر آئی۔ بیاض کی ضخامت تین سو سات صفحات (ایک سو چون برگ) کو محیط ہے۔ اس کا مرتب اور جامع کوئی نہایت ہی عالم اور فاضل شخص رہا ہے، جس نے اِس بیاض کے اکثر و بیشتر صفحات پر اپنے مطالعاتی افادات بھی رقم کیے ہیں، مگر کہیں پر بھی اُس نے اپنا نشان نہیں دیا۔ وہ جہاں بھی اپنے حُسنِ مطالعہ کی عکس گری کرتا ہے، خاتمے پر اسمٰعیل لکھ دیتا ہے، لیکن محض اسمٰعیل سے تو اُس تک رسائی ممکن نہیں۔ وہ کون ہے اور کس علاقے کا رہنے والا ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا، مگر بیاض میں یہاں وہاں اُس کی حاشیہ آرائی اُس کے صاحبِ مطالعہ ہونے کی خبر دیتی ہے۔ اس مجموعے کے علمی اور فکری موضوعات اور مندرجات: اُس کے ذوقِ مطالعہ کے منفرد اور متنوع رویوں کے غماز ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کے ساتھ ساتھ اُسے شعر و ادب، اوراد و وظائف اور نجوم و رمل

سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ وہ فنِ کتابت کے رموز سے بھی آگاہ ہے۔ اُس کا خط شکستہ ہونے کے باوجود پختہ اور خوب صورت ہے۔ بیاض ظاہری تزئین و آرائش اور گل بوٹوں سے تو محروم ہے، مگر حُسنِ کتابت نے اِس کی جمالیاتی اپیل کو کم نہیں ہونے دیا۔ بیس پچیس صفحات کو چھوڑ کر بیاض کا بقیہ تمام تر حصہ اُس کے حُسنِ قلم کا آئینہ دار ہے۔ بیاض کی ترتیب و تہذیب میں جو کاغذ استعمال کیا گیا ہے، وہ حد درجہ مضبوط اور قیمتی ہے۔ بیاض میں عربی اور فارسی کے بیس کے قریب مکمل رسائل بھی موجود ہیں، جبکہ اِس بیاض کا بقیہ حصہ بعض نادر اور نایاب کتب و رسائل کے اقتباسات اور ملخصات پر مبنی ہے۔ اقتباسات من و عن نقل کیے گئے ہیں اور خاتمے پر بارہ (۱۲) کا عدد لکھ کر مصنف یا پھر کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ کسی کتاب یا رسالے کا نام اگر دو یا تین الفاظ پر مشتمل ہے، تو ایک آدھ بار مکمل نام لکھ کر بقیہ مقامات پر کتاب یا رسالے کے نام کا پہلا جز بطورِ حوالہ لکھا گیا ہے۔ بیاض میں موجود دو رسالوں کے ترقیمے میں کاتبوں نے سنہ تحریر، رسالے کا نام اور اپنے ناموں سے بھی پردہ اُٹھایا ہے۔ یہ دونوں نسخے فارسی نظم میں ہیں۔ پہلا رسالہ تصوف کے عنوان سے عبداللہ نامی کاتب نے ۱۲۱۹ھ میں کتابت کیا ہے، جبکہ ۱۲۱۵ھ میں لکھے گئے دوسرے نسخے کا نام تحفة الفرائض ہے۔ یہ نسخہ ہارون نام کے کاتب کے حُسنِ کتابت کا عکاس ہے۔ یوں اگر مرتبِ بیاض کو اُن کاتبوں کا معاصر بھی متصور کیا جائے، تو بیاض کی تحریر و ترتیب کا زمانہ بھی کوئی دو سو سال اُدھر کا معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر تو ہمارے پاس شاید ایسے دلائل نہ ہوں، جو کہ مرتب کے زمانی تعین میں معاون ہو سکیں، لیکن بعض ایسے داخلی شواہد ضرور موجود ہیں، جو بیاض کے جامع اور مرتب کا عہد متعین کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر کاغذ اور سیاہی کی اقسام اور اندازِ کتابت اور املا کے اصول و ضوابط، جو پچھلی دو تین صدیوں میں برِصغیر میں رائج رہے ہیں۔

[۲]

قرآن و حدیث کے علاوہ عربی اور فارسی کی جن کتب و رسائل کے اقتباسات اور ملخصات شاملِ بیاض ہیں، اُن کے نام یہ ہیں:

شرح ریاض الصالحین، جامع القوانین، کشکول، جامع الرموز، کیمیای

سعادت، احیاء العلوم، عوارف المعارف، مفاتیح الجنان، جامع الصفیه، تذکرة الاولیاء، مائته الفوائد، فوائد الفواد، فتوح الاوراد، فتاویٰ سراجیه، شرح گلستان (نوراللہ)، شرح شرعته الاسلام، مثنویِ معنوی، شفاء الامراض، حزبِ اعظم، شرح عبدالحق برمشکوة، شرح هدایة الحکمته، مفتاح الحصن الحصین، شرح کنزالدقائق، دُرالمختار، نفحات الانس، محیطِ سرخسی، فتوحاتِ مکیه، فصوص الحکم، تحفة الفقه، شرح حزب البحر، کتاب الادب، کتاب الاوراد، اسرارالفاتحه، کتاب البرکته، اسعاف الابرار، مرج البحرین، دُرِمکنون، رقعاتِ منیری، مکاتیبِ سرهندی، فقهٔ اکبر، فتاویٰ ابن حجر، بیاضِ مخدوم محمد صادق، تفسیرِ مدارک، ظواهر الاخبار، هدایه، کشف اللغات، ارشاد الطالبین، معارف الانوار، اصول الصفاء، خلاصته الحقائق، زاد الطالبین، شرح تاج محمود، جامع الفتاویٰ، معارف الازهار، شرح مشارق الانوار، امداد الفتاح شرح نور الایضاح، فرائض الاسلام، فتح التقدیر، شرح مواقف، کنزالعمال، فضائل القرآن، فیض التقدیر، شرح جامع الصغیر، توضیح شرح مختصر مقدمة الصلوة، مشارق الانوار، شرح طریقهٔ محمدیه، تبیان الصواب، شرح وقایه، صحائف المعرفته، غایته المطلوب، مرقات، لطائف الطوائف، شرح دعای سریانی، خلاصته الاخبار، رسالهٔ احمد غزالی، شرح العقائد، بیاضِ مخدوم محمد هاشم، حیاتِ طیّبه، بیاضِ هاشمی، تصانیفِ حاجی ابوالحسن، المکافاة الموزنته والحائله، تصوف (میاں محمود)، جذب القلوب الی دیار المحبوب، کشف الرمز شرح الکنز، شرح صراط المستقیم، خلاصة الفقه، خزانة الروایات، عمدة المریدین، قاموس، عقائدِ سنیه، جواهرالخمس، قول الجمیل، مطول، تحفة الاخیار، کنزالعرفان، جامع المتفرقات، تیسیر بشرح الجامع الصغیر، شرح المواهب، اذکارِ امام نووی، تاریخ الخلفاء (سیوطی)، بیاضِ عبدالواحد سیوستانی، تحفة الفرائض، مثنویِ رحمت الله، فوائد الکنز، تحریم التبناك الدخان

(شیخ محمد حیات المدنی) وغیرہ۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ بعض مقامات پر اقتباسات کے بعد بطورِ حوالہ مصنفین کے نام دیئے گئے ہیں۔ اُن میں سے وہ نام جو تسلسل اور تواتر کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:

قاضی محمود، عبدالرحیم، مخدوم عبدالواحد سیوستانی، شیخ عبدالحق، مخدوم محمد ہاشم، مخدوم محمد حامد، مخدوم محمد قائم، ملاّ سرخسی، ملاّ مراد، ملاّ علی قاری، امام غزالی اور مخدوم بہاءالدین قادری وغیرہم۔

مذکورہ بالا کتابوں میں سے بعض اب ناپید ہیں۔ غنیمت ہے کہ اس بیاض [illegible] سے اُن کے نام اور اقتباسات (اور ملخصات) معدوم ہونے سے بچ گئے۔

[۳]

بیاض میں مندرج مولانا روم کے دو اشعار کو چھوڑ کر فارسی کا بقیہ تمام تر کلام کسی بھی معروف شاعر کے حُسنِ تخیّل کا نتیجہ نہیں۔ مثنوی اور رباعی کی ذیل میں جو کلام محفوظ ہے، وہ کسی علاقائی شاعر کی رعنائیِ خیال کا ثمر معلوم ہوتا ہے، مگر وہ تخلیق کار ہے کون؟...... بیاض میں مرقومہ کلام میں تو کوئی بھی ایسا داخلی قرینہ موجود نہیں، جو صاحبِ کلام تک رسائی کو ممکن بنا سکے۔ البتہ ایک مثنوی میں محمود تخلّص آیا ہے اور ترقیمے میں شاعر کا نام میاں محمود درج ہے، لیکن فارسی ادبیات کے تذکرے میاں محمود کے احوال و آثار کے ضمن میں بالکل خاموش ہیں۔ پھر اس مثنوی اور بیاض میں موجود دیگر فارسی کلام کے مابین اتنا فکری اور فنی بُعد ہے کہ بقیہ کلام کو میاں محمود کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ مثنویِ مذکور کو چھوڑ کر باقی فارسی کلام میں ایک فکری وحدت اور موضوعاتی یک رنگی موجود ہے۔ فنی اعتبار سے بھی کلام نہایت پختہ اور توانا ہے۔ مثنویوں اور رباعیات کے مندرجات وحدۃ الوجود کے مکاشفاتی اور تجرباتی رنگ میں گندھے ہوئے ہیں۔ فکری و فنی اعتبار سے یگانگت کے حوالے سے اگر اُس سارے کلام کو کسی ایک شاعر سے منسوب کیا جائے، تو کم از کم ایسے داخلی قرینے دستیاب ہوسکتے ہیں، جو اُسے کسی ایک ہی شاعر کے حسنِ خیال کا ثمر و آہنگ گردانے میں ممد و معاون ہوں۔

نثری سرمائے میں اہم ترین چیز مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ایک فارسی تحریر ہے، جس میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بعض مشکل اور ادق عبارات کی تفہیم وتعبیر نہایت ہی سادہ، مگر خوب صورت انداز میں رقم کی گئی ہے۔ اِس رسالے کا ایک اقتباس بطورِ نمونہ عکساً ملاحظہ ہو:

ابن عربی در فتوحات مکیہ میفرماید فهو عین کل شئ فی الظهور وما
هو عین الاشیاء فی ذواتها بل هو هو والاشیاء اشیاء آنچہ وجداً
محققان وعقیدہ صوفیان ایشان را باحق تعالی وظهور خواہر جمیع
روحی من لغت نسبت مگر در ربط حق بعالم علما وظواہر ربط ایجاد حق
بعالم میدہند چہ تباین حقیقی میں وصوفیان ربط ذات حق بعالم میدہند
بی تباین واتحاد وبی انقسام وتجزی وتبعیض پس نزدیک ایشان
یک حقیقت آمد اما در ثبوت مرتبہ حق ومرتبہ عالم وود احکام مرتبہ
بر آن هردو جمیع من لغت نسبت از احکام واجب بر واجب مترتب
میدارند واحکام عالم بر عالم احکام آنرا برین مترتب نکردند واحکام
این بر آن مترتب نشوند اینست صراط مستقیم اهدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین
اینی وعلما وظواہر بنا خود هیچ طوری از اطوار یگانگی بر عالم روا
نداند بلکہ کفر میدارند از آنکہ نزد ایشان عالم را با حق بهیچ وجہ یگانگی
نیست وصوفی بنا خود همہ اطوار یگانگی بر عالم جائز دارند بلکہ
جزوی درکنی از ایمان شمارند از آنکہ نزد ایشان حق ثابت نسبت
اما نہ جدا گانہ وبیگانہ از عالم نہ متحد ویگانہ با او زیراکہ نزد ایشان
من حیث الوجود یگانگی ست ومن حیث المراتب بیگانگی وثبوت ایمان
بدو رکن ست یگانگی وبیگانگی وبدو امر حق وعبد وجمع الامرین المذکورین
را ایمان تمام وکامل میدارند لان فیہ ثبوت الحق والعبد بلا تباین
ذاتی ذ پس کسی کہ بوجدان وذوق بی تباین واتحاد هردو مرتبہ را
نگاہ دارد وحقیقت وجود را با جمیع الهیات وبا جمیع قیود خلقیت
دریابد او را کامل مکمل گویند وکسی کہ باستیلاء وجود یا باستیلاء حق
مرتبہ خلق را محو سازد او را مغلوب الحال گویند معذور دارند
ومرفوع القلم شمارند ان اللہ لا یؤاخذ العشاق بما صدر منهم
وکسی کہ برؤیت خلق حق را نسا تر آید او را محجوب گویند وکسی کہ
بمجرد علم وحدت یا بتوهم حظوظ آن عالم مرتبہ خلق را بردارد او را
ملحد وزندیق گویند وکسی کہ علم معرفت وحدت چنانکہ مذکور ست
بداند وبدان عقیدہ تحقیقہ صحیحہ نماید ومراقب بدان بود او را
عالم ربانی خوانند ورسیدہ دارند کہ او بهم دلیل این علم وعقیدہ و
مراقبہ بدرجہ کمال برسد در این جهان یا در آن جهان وکسی کہ مراقب

محجوب

عالم ربانی

بنود و آن علم صحیح را درراه هم از چیزی ازین نصیب خالی نبود و ازین
حظوظ عاری نباشد هر که این علم و عقیده صوفی را یاد دارد و هر مسئله
این رساله را بتحقیق بداند و از زلت صوفیان و از زندقه زندیقان
و از الحاد ملحدان و از اباحت مباحیان نجات یابد و بدرجه
صدیقان رسد والله اعلم بالصواب و صوفیان آن حقیقت را

هویت

که حقیقت وجود است من حیث هو هو مرتبه لاتعین و ذات بحت
خوانند اما نه بآن معنی که مفهوم سلب تعین و بحتیه آنجا ثابت
باشد و نیز این مرتبه را مرتبه احدیت و مرتبه غیب و هویت و
مرتبه لاهوت خوانند و هیچ اسامی که ورای وجود فائده دیگر
دهد روا ندارند و چون آن حقیقت را بعلم مطلق و علم اجمال که
یافت خود است مر خود را بذات خود و یافت خود با جمیع شیونات
الهی و کونی بی امتیاز یکی از دیگری ملاحظه نمایند وحدت

وحدت

گویند و حقیقت محمدی خوانند و تجلی اول و تعین اول و تنزل
اول نامند و چون آن حقیقت را بعلم مفصل که یافت خود است با صفات
و اسماء الهی و کونی مفصلا با امتیاز یکی از دیگری ملاحظه نمایند

واحدیت

واحدیت گویند و الوهیت و حقیقت انسانی خوانند و دانش خود که
درین مرتبه است مر اکوان را تعین علمی و اعیان ثابته گویند و این
همه وجدان و شهود و علم و شعور او مر او را در سه طریق منحصر است
و همه مراتب مذکوره را قدیم پندارند و تقدیم و تاخیر یکی بدیگری رتبی
دانند و چون آن حقیقت متلبس شد بعالم نورانی او را عالم ارواح
خوانند و عالم ملکوت و عالم مثال خوانند و چون آن حقیقت متلبس شود
بعالم جسمانی عالم شهادت گویند و چون آن حقیقت متلبس شود و
مقید باشد بجمیع مراتب مذکوره جسمانی و نورانی واحدیت و وحدت
انسان گویند و چون آن حقیقت بعد ازین تقید در انسان منبسط گردد
و متسع شود بجمیع مراتب مذکوره و همه مراتب مذکوره در وی ظاهر
آیند با انبساط خود و او را کانه هو گردانید انسان کامل گویند و آن
انبساط و اتساع بکمال و اکمل مرتبه در صورت محمدی صلی الله علیه وسلم
دارند و ختم نبوت بود هم ازین وجه شمارند و از عبارت سابقه

سابقه معلوم شد که کامل مقید بدو وجه نگاه داشتن ست وجه اطلاق و وجه
تقیید که در وجود ست اما چون آن حقیقت مطلقه مقید شد بمجرد مقید شدن
بقید چون خو کرد و عادت گرفته بتقیید بصر مقید و سمع مقید و همه اوصاف
مقید بتقیید عادت گرفتند و آن حقیقت مطلقه را و اوصاف آن حقیقت را
ستر آمدند و از آن حقیقت بیگانه وار گشتند وجه تقیید بر آن مقید
غالب آمد و احکام و لوازم تقیید بر او مستولی شد اکنون طریق رجوع مقید
بسوی مطلق اینست که وجه اطلاق را بر وجه تقیید غالب کند و همیشه مراقب
بوجه [struck] اطلاق باشد و هیچ ملاحظه بوجه تقیید نکند و هر طریقی که
وجه تقیید را فراموش کند آن طریق را لازم گیرد و فرض راه داند و هر امری
که وجه تقیید را غلبه دهد و در کثرت در آورد آن امر را قاطع طریق داند
داند و بآن امر ملتفت نشود یا آن امر دینی ست یا دنیاوی و اگر آن امر
از امر دنیوی ست واجب ست که آن را بالکلیه ترک کند و اگر از امور دینی
ست پس ببینند که اگر آن امر از مفروضات یا از سنن رواتب ست
اتیان آن ضروریست و اگر از نوافل ست آن را هم ترک باید داد اگرچه آن
امر از خیرات و حسنات باشد حاصل الامر آنکه کاری که وجه اطلاق را
غلبه دهد آن کار فرض راه ویست از آنکه فرض وی آنست که وجه مطلق
را حاضر آرد از اینجاست که گفته اند خسر الدنیا والآخرة صفت عاشقان
ست مقید را نگاه داشتن بر وجه اطلاق فرض آمده ملاحظه بوجه تقیید
نکند و اگر خواهد که هر دو وجه را نگاه دارد ممکن نگردد و غلبه وجه اطلاق
حاصل نیاید از آنکه مقید بوجه تقیید عادت گرفته ست و تقیید و لوازمات او
لازم حال او آمده اند مانع بوجه اطلاق آیند و بسوی خود کشند و ممکن
نیست که به نگاه داشتن هر دو وجه بوجه اطلاق رسد اولا وجه تقیید
را بهر طریق فراموش کند و وجه اطلاق را غالب آرد و بعد از غالب کردن
وجه اطلاق ملتفت بوجه تقیید شود و مراقب با دو وجه باشد و آن وجه را
حاصل کند در آن وقت ممکن است که وجه تقیید بآن طریق حاصل آید که وجه
اطلاق را حاجب نباشد و مانع نیاید چون آن وجه مقید حاصل شد به وجه کامل
رسید متساوی الطرفین گشت انبیا که بخلق آمده بودند بوجه اطلاق آمده
بودند ارسل رسوله بالهدی وجه تقیید همراه ایشان بردند و دین الحق

[۴]

اس بیاض میں قدیم اُردو کی تین منظومات بھی شامل ہیں:

(۱) حسام لاہوری کی غزل

(۲) شیخ رحمت اللہ کی مثنوی

(۳) کسی نامعلوم شاعر کا ترجیع بند

اوّل الذکر دونوں منظومات کے تعارف پر مشتمل راقم کے مضامین: تحقیق نامہ مجلّہ شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج، لاہور کے پہلے (۲) اور دوسرے (۳) شمارے میں چھپ چکے ہیں، جبکہ تیسرے فن پارے کا تعارف (۴) ارشد محمود ناشاد نے کرایا ہے، جو ماہ نامہ قومی زبان، کراچی کے شمارہ بابت ستمبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ حسام لاہوری اور شیخ رحمت اللہ کے نام تو اُردو ادب کی تمام اہم تر تاریخوں میں آئے ہیں، لیکن اُن کے احوال و آثار پر گم نامی کے پردے پڑے ہیں۔ اس بیاض کے حوالے سے پہلی بار تحقیق نامہ میں اُن کے احوال اور تخلیقی آثار روشناسِ خلق ہوئے۔

[دریافت مجلّہ شعبۂ اردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد: ۲۰۰۴ء]

حواشی اور حوالے:

(۱) دیکھیے: کتب خانۂ حمیدیہ، سلطان پور کے اہم مخطوطات: اکتوبر ۱۹۷۷ء: ص ۲۷-۳۲/اب یہ مقالہ ڈاکٹر سفیر اختر کی کتاب میں بھی شامل ہے۔ رک: اٹک، راولپنڈی اور ھری پور کے چند کتب خانوں کے اھم خطی نسخے: دار المعارف۔ واہ کینٹ: باراوّل ۲۰۰۷ء: ص ۵۳-۵۸

(۲) رک: حسام لاہوری۔ سترھویں صدی کا ایک غزل گو: ص ۷۷-۸۳

(۳) ملاحظہ ہو: شیخ رحمت اللہ۔ پندرھویں صدی کا ایک شاعر: ص ۱۴۴-۱۶۵

(۴) اردوئے قدیم کا ایک نایاب نمونہ: ص ۵۳-۶۰

بارہ ماہیہ نجم :
ایک تنقیدی جائزہ

[۱]

بارہ ماہیہ: لوک ادب کی ایک اہم صنفِ سخن ہے۔ اِس صنفِ اظہار کا فنی اور فکری کینوس اپنے مخصوص موضوع اور معنویت کے اعتبار سے انفرادیت کا حامل بھی ہے اور اہمیت کا باعث بھی۔ شمیم احمد کے بقول:

"یہ ایک ایسی نظم ہوتی ہے، جس میں بیوی یا محبوبہ کی زبانی اُن شدید جذبات کا اظہار کرایا جاتا ہے، جن سے وہ اپنے شوہر یا عاشق کے فراق میں دوچار ہے اور اُس عالمِ فراق کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ چنانچہ وہ نہایت پُر اثر انداز میں اپنے شوہر یا عاشق کو یاد کرتی ہے اور سال کے بارہ مہینوں میں اُس کے جذبات واحساسات پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اُنھیں دکھاتی ہے۔ موسموں کی شدت وکیفیت: اظہارِ جذبات کے لیے پس منظر کے طور پر برتی جاتی ہے۔ سال بھر کے مختلف النوع جذبات کے اظہار کی مناسبت سے اس قسم کی نظم کو بارہ ماسہ کہا جاتا ہے"۔(۱)

بارہ ماہیہ وہ صنفِ اظہار ہے، جس میں مقامی تہذیب وثقافت کے رنگ اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ منعکس ہوتے ہیں۔ کہانی کے پس منظر میں ہنداسلامی تہذیب کے خط وخال بھی دکھائی دیتے ہیں اور گنگا جمنی تمدن اور معاشرت کی جلوہ آرائی کے رنگ بھی؛ اس میں مقامی پرندوں کی چہکاریں بھی حسنِ سماعت میں رس گھولتی ہیں اور برِصغیر پاک وہند کے موسم بھی اپنی تمام تر کیفیات کے ساتھ طلوع ہوتے ہیں؛ اس میں دیہاتی اور قصباتی رنگوں کی تاب ناکی کے عکس بھی ملتے ہیں اور اُن کی

خوشبو بھی اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے، کیونکہ بارہ ماہیوں میں بقولِ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی:

''فراق زدہ عورت (برہنی) عموماً دیہات کی ہوتی ہے، اِس لیے اُس کی زبان میں دیہاتی الفاظ عام طور سے پائے جاتے ہیں یا اُن کی آمیزش زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ عموماً یہ بارہ ماسے اساڑھ یا ساون کے مہینے سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ عورت کبھی اپنی سکھیوں اور سہیلیوں سے مخاطب ہوکر باتیں کرتی ہے، کبھی اُن کی کامیاب اور بھرپور زندگی پر رشک کرتی ہے۔ موسم کے اعتبار سے جو تیوہار آتے ہیں، مثلاً: دسہرہ، دیوالی، ہولی وغیرہ۔ اُس وقت اُس کا دردوالم اور بڑھ جاتا ہے، کیونکہ اُن میں وہ خوشی سے شریک نہیں ہوسکتی۔ مُلا، سیانے، پنڈت، رمال، جوتشیوں وغیرہ کی خوشامد کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسا جتن کریں یا تعویذ اور گنڈا لکھیں، جس سے اُس کا بچھڑا ہوا ساجن واپس آجائے۔ کبھی وہ کوے یا نیل کنٹھ کو قاصد بنا کر بھیجنا چاہتی ہے کہ وہ اُس کا حالِ زار اُس کے پیتم کو جاکر سُناوے اور اُس سے جلد واپسی کے لیے کہے، کیونکہ برسات کی مستی بھری راتیں یا جاڑے کی لمبی راتیں اُس سے تنہا کاٹے نہیں کٹتیں اور سیج پر اُسے نیند نہیں آتی۔ آخرِ کار سال کے آخری مہینے اُس کا شوہر دفعتاً پردیس سے واپس آجاتا ہے اور اُس فراق زدہ عورت کا دردوغم مبدل بہ خوشی وخرمی ہوجاتا ہے''۔ (۲)

[۲]

اردو میں اگرچہ اِس صنفِ سخن کی روایت کچھ زیادہ قدیم نہیں، تاہم پچھلی تین چار صدیوں میں کئی شاعر اس فن کدے کے طواف میں سرگرمِ عمل رہے۔ بکٹ کہانی کے مصنف محمد افضل گوپال (م ۱۰۳۵ھ) اِس صنف کے وہ پہلے باقاعدہ شاعر ہیں، جنھوں نے اپنی وارداتِ قلبی اور کیفیاتِ غم کو اِس صنفِ اظہار کے فنی اور تکنیکی پیرائے میں بیان کیا اور اُن کے بعد تو کتنے ہی شاعر اِس طلسم کدے کی طلسماتی فضا کو عکس بند کرنے اور اس کے آنگنوں میں پھیلتی خوشبو کو کشید کرنے میں مگن رہے۔ اُنھوں نے اپنے داخلی جذبوں کو خارجی عناصر سے باہم آمیخت کر کے اپنے تخلیقی اظہار کا جادو جگانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اُن کے بارہ ماہیوں میں مختلف اور متنوع رنگوں

کی بہار دیدنی ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اردو میں بارہ ماسے کی روایت: مطالعہ و متن کے عنوان سے جو کتاب مرتب کی، اُس میں اُنھوں نے بارہ (۱۲) بارہ ماہیوں کا تعارفی اور تنقیدی مطالعہ کیا اور اُن کے متن محفوظ کیے۔ اُن کے علاوہ: ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، محمد ذکی الحق، ڈاکٹر محمد صدرالدین فضا، ڈاکٹر انصاراللہ نظر، ڈاکٹر عبدالغفار شکیل اور ڈاکٹر [illegible] وشت نے بھی مختلف بارہ ماہیوں پر تعارفی اور تنقیدی مقالات لکھے، لیکن پیشِ نظر بارہ ماہیہ ان تمام محققین اور ناقدین کی توجہ سے محروم رہا، حالانکہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے دعویٰ کیا تھا کہ: "راقم الحروف کے پاس اردو کے تقریباً تمام مطبوعہ بارہ ماسے موجود ہیں"۔ (۳)

[۳]

بارہ ماہیۂ نجم...... حاجی محمد نجم الدین سلیمانی (م ۱۲۸۷ھ) کے روحانی اور داخلی تجربوں کا اظہاریہ بھی ہے اور اُن کے عارفانہ اور عاشقانہ جذبوں کا اشاریہ بھی؛ اس میں استعارے کے رنگ بھی ہیں اور تمثیل کی خوشبو بھی۔ وہ عملاً صوفی صافی اور صاحبِ عرفان و یقین بزرگ تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں خواجہ محمد سلیمان خان تونسوی غریب نواز (م ۱۲۶۷ھ) کے مرید تھے اور خلیفہ بھی۔ اُنھوں نے بارہ ماہیے کی صنف کے پیرائے میں اپنے روحانی کرب کو تخلیقی وجدان کی آمیزش سے اس طرح باہم آمیخت کیا کہ حقیقت کی بے رنگی مجاز کے رنگوں سے مزین ہوگئی۔ یہ بارہ ماہیہ شاعری وارداتِ قلبی اور مکاشفاتِ وجدانی کی وہ داستانِ عشق ہے، جو رنگ کے آنگن میں بے رنگی کی تجلیاتی صداقتِ احساس کا منظرنامہ تشکیل دیتی ہے۔ یہ بارہ ماہیہ وہ سرِ دلبراں ہے، جو حدیثِ دیگراں میں نہیں، خود شاعر کی زبانی منکشف ہوا: اس میں ہجر و فراق کا کرب بھی ہے اور وصالِ یار کی لطف آفرینی بھی؛ اس میں خارجی عناصر کے مناظر بھی ہیں اور داخلی جمالیات کی باز آفرینی بھی؛ اس میں حمد اور نعت کی معنوی ترنگ بھی ہے اور پیر و مرشد کے وصال کی اُمنگ بھی؛ اِس میں حُسنِ خیال کی نمود بھی ہے اور خیالِ حُسن کا وجود بھی؛ اس میں حقیقت بھی ہے اور کہانی بھی۔ یہ مختلف اور متنوع رنگ مل ملا کر ایک ایسی بے رنگی کے ترجمان ہیں، جو زندگی اور اس کی تمام

تر معنویت کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ شاعر نے اپنے پیرومرشد کے فراق میں، اپنی وارداتِ غم کا جو سماں باندھا ہے، وہ بارہ ماہیے کے ہر ایک لفظ سے آشکار ہے۔ تشبیہ اور تمثیل کی ہم آہنگی سے کہانی کے بیانیے کا منظر نامہ: فکروآہنگ کی جس صورت میں متشکل ہوا، وہ پیش منظر کی طلسماتی فضا کا معنوی اشاریہ مرتب کرتا ہے۔ اس سے تخلیق کا فکری پس منظر: عشق اور سرمستی کے جذباتی رویوں سے ہم آہنگ ہو کر، فراق اور ہجر کے تلازماتی آفاق کو اِس طرح وسعت آشنا کرتا ہے کہ موسموں کے بدلتے منظرنامے شاعر کی باطنی کیفیات سے طلوع ہوتے ہیں۔ مجاز کے تناظر میں حقیقت کی بصیرت افروز معنوی فضا، اُن کے اِسی وجدانی تجربے کی بازگشت سے پیالہ گیر ہے۔ وہ جہانِ معنی کی وجدانی اپیل کو تشبیہ اور تمثیل کے فنی پیرائے میں اظہارِ ذات کے خارجی اور معنوی رویوں کا ایسا امتزاجی اسلوب عطا کرتے ہیں، جو اُن کے ہاں کشفِ ذات سے انکسارِ ذات تک کے مراحل کا اثباتی اظہاریہ منکشف کرنے میں معاون ہے۔ اِس میں تجربے کے رنگ بھی بکھرتے ہیں اور مشاہدے کی وجدانی خوشبو بھی رقص کناں رہتی ہے۔ یوں مجاز سے حقیقت اور حقیقت سے مجاز کے مابین سفر: گنجینۂ معانی کی طلسماتی خوش آہنگی کا اظہاریہ بن جاتا ہے، جس میں کرب اور دکھ کی دھوپ بھی پڑتی ہے اور حسنِ وصال کی خوش رنگی کے پھول بھی کھلتے ہیں۔

[۴]

محمد نجم الدین سلیمانی حاجی صاحب کے لقب سے ملقب تھے۔ وہ خواجۂ بزرگ غریب نواز کے خلیفہ سلطان التارکین خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولادِ پاک نہاد سے تھے۔ جے پور کے مضافاتی قصبے جھنجھنوں میں رمضان کی تیسری تاریخ جمعے کے دن ۱۲۳۴ھ کو متولد ہوئے۔ والدۂ محترمہ کا نام سردار بی بی اور والدِ گرامی کا نام شیخ احمد بخش تھا، جو سلسلۂ نقشبندیہ میں شاہ ارادت اللہ سے بیعت تھے۔ حاجی صاحب کی رسمِ بسم اللہ معروف قادری بزرگ مولوی محمد رمضان مہی کی نگرانی میں ہوئی۔ اُنھیں سے قرآن کریم پڑھا۔ فقہ اور ادبیات کی تعلیم کے بعد، ۱۰۔ شعبان ۱۲۵۳ھ کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی غریب نواز کے مرید ہوئے۔ تونسہ مقدسہ میں خواجہ تونسوی کے مرید و خلیفہ محمد باران خان (م ۱۲۵۴ھ) سے رشحات، لمعات، فصوص الحکم اور

فتوحاتِ مکیہ اور اپنے پیرومرشد سے کشکول، لوائح، عشرۂ کاملہ، آداب الفضائل اور دیوانِ حافظ کا درس لیا۔ ۶۔ محرم ۱۲۵۴ھ کو بابا فرید الدین گنج شکر کے عرس کے موقع پر پاک پتن میں خلافت سے فیض یاب ہوئے اور مرشد کے حکم پر فتح پور شیخاواٹی میں خانقاہ قائم کی اور ہزاروں افراد کی روحانی تربیت کی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں اُن کے ۲۶ خلفاً کی فہرست دی ہے۔ (۴)

وہ ۱۲۸۷ھ کو فوت ہوئے اور فتح پور شیخاواٹی میں آسودۂ خاک ہوئے۔

حاجی صاحب نے اُردو اور فارسی میں جو کتابیں لکھیں، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- مناقب المحبوبین
- مناقب الحبیب
- بیان الاولیا
- قبالاتِ نجمی
- افضل الطاعت
- احسن العقائد
- نجم الآخرة
- نجم الواعظین
- احسن القصص
- تذکرة السلاطین
- مناقب التارکین
- فضیلة النکاح
- تذکرة الواصلین (دفتر اوّل و دوم)
- نجم الهدایه
- راحت العاشقین
- حیات العاشقین فی لقایِ رب العالمین
- شجرة المسلمین
- سماع السامعین فی ردالمنکرین
- مقصود العارفین
- مقصود المرادین فی شرح اوراد نصیر الدین
- هدایت نامه
- شجرة الابرار
- شجرة العارفین
- دیوان خواجه نجم
- پیوملانی غیر بھلانی
- گلزار وحدت
- ماحی الغیریت
- پریم گنج
- باره ماهیه نجم

حاجی صاحب کے صاحبزادے اور جانشین مولانا محمد نصیر الدین (م ۱۲۹۷ھ) نے اُن کے حالات اور ملفوظات میں نجم الارشاد کے عنوان سے ایک کتاب بھی مرتب کی، جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا منحصر بہ فرد قلمی نسخہ درگاہ نجم الدین سلیمانی، فتح پور شیخاواٹی میں محفوظ ہے۔

بارہ ماھیۂ نجم شوال ۱۲۵۸ھ کو مکمل ہوا۔ شاعر نے خود لکھا ہے کہ:

وہ سنہ ہجری تھی بارہ سی اٹھاون

ہوا پورا یہ قصہ من لبھاون

شاعر کی زندگی میں اس دلچسپ اور دلکش قصے کو اشاعت کی روشنی میسر نہ آئی اور یہ بارہ ماسہ طباعت سے محروم رہا۔ یہ قصہ اپنی تخلیق کے چونتیس سال بعد حسنِ طباعت سے روشناس ہوا۔ اس وقت شاعر کو دنیا سے رخصت ہوئے پانچ سال ہو چکے تھے۔

بارہ ماھیۂ نجم نسخۂ بمبئی:

صاحب کلام کے صاحبزادے اور جانشین اول مولانا محمد نصیر الدین کی اجازت اور محمد نصیب خاں اور فقیر محمد چشتی کے حسنِ اہتمام سے یہ مجموعہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ طباعت کی سعادت مطبع الحسینی درجھنڈی بازار، بمبئی کے حصے میں آئی۔ یہ مجموعہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے شاعر کی بیاض سے یہ نسخہ کتابت کیا۔ کتابت کے دوران میں، اُس سے بعض اغلاط بھی سرزد ہوئیں، جو مابعد نسخوں میں بھی در آئیں۔ کاتب نے جو کچھ لکھ دیا، اُس کا اصل متن کے ساتھ تقابل نہیں کیا گیا، جس کی وجہ سے اغلاط کی تصحیح نہ ہو سکی۔ بارہ ماہیے کا متن ۴۶ صفحات کو محیط ہے۔ ص ۴۶ پر کسی عربی شاعر کے دو شعر نقل ہوئے ہیں۔ بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک نعتیہ قصیدے کے آٹھ اشعار دیے گئے ہیں۔ قصیدے کے بعد محمد نصیب خاں کی طرف سے 'خاتمہ کتاب' کے عنوان سے ایک عبارت دی گئی ہے: کہ کوئی بھی شخص اس بارہ ماہیے کو بلا اجازت چھاپنے کا قصد نہ کرے، بصورتِ دیگر ایکٹ نمبر ۲۵ (۱۸۶۲ء) کے مطابق اُس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ 'خوب نو تاریخ' (۱۸۷۵ء) اور 'لکھی: عمدہ بھئی غم کی کہانی' (۱۲۹۲ھ) سے بالترتیب عیسوی اور ہجری تاریخ ہائے طباعت بھی استخراج کی گئی ہیں۔

بارہ ماھیۂ نجم نسخۂ اجمیر:

یہ ایڈیشن حاجی نجم الدین سلیمانی کے تیسرے سجادہ نشین مولانا غلام سرور (م ۱۳۷۲ھ) کی

اجازت اور منشی علاء الدین خاں مسعودیہ کی فرمائش پر معین پریس اجمیر میں طبع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۴۸ ہے۔ بارہ ماہیے کا متن پینتالیس (۴۵) صفحات میں آیا ہے۔ ص ۴۶ پر کسی نامعلوم شاعر کے دو نعتیہ اشعار ہیں، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نعتیہ قصیدے کے آٹھ اشعار دیے گئے ہیں۔ ان کے بعد 'خاتمہ کتاب' کے عنوان سے وہ عبارت بھی نقل کی گئی ہے، جو پہلی بار محمد نصیب خاں نے چھاپی تھی۔ ص ۴۸ پر نبیرۂ مصنف مولانا غلام سرور نے کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے دس اشعار کہے ہیں اور آخری شعر کے مصرع ثانی (چھپ گیا کیا نسخہ اسرار حق) سے سنہ طباعت (۱۳۵۶ھ) استخراج فرمایا ہے۔

بارہ ماہیے کی دونوں اشاعتوں کے مابین چونسٹھ سال کا عرصہ حائل ہے۔

بارہ ماهیۂ نجم نسخۂ فتح پور:

بارہ ماهیۂ نجم کا تیسرا ایڈیشن دیوناگری رسم الخط میں ۱۴۲۹ھ میں فتح پور شیخاواٹی سے اشاعت پذیر ہوا۔ پیر غلام جیلانی نجمی نے 'وضاحت سہ بارہ طباعت' کے عنوان سے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے:

> ''اب چونکہ نسخۂ بارہ ماہیہ مذکورہ کی چند جلدیں ہی چند حضرات کے پاس رہ گئی ہیں۔ وہ بھی دن بہ دن [؟] معدوم ہوتی جارہی ہیں، اس لیے اس فقیر کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس نایاب تحفہ بارہ ماہیۂ مذکورہ مزید سہ بارہ ترتیب دے کر بارہ ماهیہ نجم الاولیا کے نام سے بخط ہندی طالبان حق کی رہنمائی کے لیے شائع کروا کر شاہ ولایت خواجہ نجم الدین صاحب کی خوشنودی حاصل کی جاوے۔ الحمدللہ انمنتہ راسخ الیقین جناب سکندر خاں چوہان ولد حاجی اصغر شیخاواٹی نے نسخۂ بارہ ماهیہ نجم الاولیا کو چھپوا کر سعادت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے''۔(۵)

یہ مجموعہ ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کتابت کی وہی غلطیاں موجود ہیں، جو اس سے قبل پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں موجود تھیں۔

حمدیہ ہیں۔ پھر دو دو ہے ہیں، جن سے شاعر نے گریز کا کام لے کر حمد سے نعت کا سفر کیا ہے۔
اگلے چھے شعر نعتیہ ہیں۔ وحدۃ الوجودی آہنگ میں نعتیہ منظر نامہ۔ تخلیقی جمالیات کا ایسا اظہاریہ ہے، جو حسنِ ازل کی تنزیل اور تعینات میں جلوہ آرائی پر گواہ بھی ہے اور اُس کی ماورائی اور تجریدی معنویت کی دلیل بھی۔ نعتیہ آہنگ وحدۃ الوجودی صداقتِ احساس اور تصورِ حقیقت کے معنوی احساس کی بدولت شاعر کے پیرو مرشد کی صورت میں ڈھل کر، جمالیاتی طرزِ فکر کی ایک نئی صورت کا انکشاف کرتا ہے، جو شاعر کی تخلیقی بصیرت اور وجدانی معنویت کا ترجمان ہے۔

اس بارہ ماہیے میں مختلف مہینوں کے موسمی احوال اور اُن کے خارجی مناظر کی تصویریں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کسی بھی مہینے کا آغاز ہوتے ہی شاعر موسمی ماحول کی تصویر کشی کے بجائے اپنے باطنی احوال اور داخلی کیفیات کا تجرباتی آہنگ۔ تخلیقی احساس کی رعنائی سے معطر کرتا ہے، تو بارہ ماہیے کے بین السطور ہند اسلامی تہذیب کا فکری اور فنی آہنگ اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ منعکس ہو جاتا ہے۔

سات سو ستاون (۷۵۷) اشعار کو شاعر نے بارہ مہینوں میں جس طرح منقسم کیا ہے، اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تمہید (دوہرے ۱۴+ اشعار ۷۱= ۸۵)، ماہ ساون (دوہرے ۸+ اشعار ۴۷= ۵۵)، ماہ بھادوں (دوہرے ۴+ اشعار ۵۵= ۵۹)، ماہ اسوج (دوہرے ۴+ اشعار ۲۰= ۴۲)، ماہ کاتک (دوہرے ۴+ اشعار ۳۱= ۳۵)، ماہ مگر (دوہرے ۴+ اشعار ۳۵= ۳۹)، ماہ پوہ (دوہرے ۶+ اشعار ۵۵= ۶۱)، ماہ ماس (دوہرے ۱۰+ اشعار ۵۹= ۶۹)، ماہ پھاگن (دوہرے ۵+ اشعار ۴۶= ۵۱)، ماہ چیت (دوہرے ۲+ اشعار ۳۵= ۳۷)، ماہ بیساکھ (دوہرے ۸+ اشعار ۶۹= ۷۷)، ماہ جیٹھ (دوہرے ۲+ اشعار ۶۶= ۶۸)، ماہ اساڑ (دوہرے ۸+ اشعار ۸۹= ۹۷)

فارسی اشعار: ۴۳+ ۱۰ مصرعے

عربی اشعار: ۴+ ۷ مصرعے

دوہرے: ۷۹

عربی اشعار:۴+۷مصرعے

دوہرے:۷۹

اقتباس اشعار: اسیری کاایک عربی مصرع، کبیر داس کاایک دوہااور عبدالرحمٰن جامی کے چار فارسی شعر

[۷]

بارہ ماہیۂ نجم نسخۂ بمبئی اور نسخۂ اجمیر میں املاً کی کچھ ایسی صورتیں دکھائی دیتی ہیں، جو ہمارے ہاں انیسویں صدی میں مروج رہی ہیں، مثلاً:

(۱) بعض الفاظ میں واؤ کا ایزاد: اوس، اوڈیکا، اون، دوکھ وغیرہ

(۲) بعض الفاظ میں یائے مجہول اور معروف کا ایزاد، جیسے: دیکھایا (دکھایا)، دیکھاوے (دکھاوے) وغیرہ

(۳) یائے مجہول اور معروف میں تفاوت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، جیسے: ہے (ہی)، ہی (ہے)، اوکھے (اوکھی)، پینڈی (پینڈے)، پرانی (پرانے) وغیرہ

(۴) بعض الفاظ کے آخر میں ہائے ملفوظی کا ایزاد کیا گیا، مثلاً: یھہ (یہ) مجہہ (مجھ)، یہہ (یہ) وغیرہ

(۵) ہائے کہنی دار اور ہائے دوچشمی کے مابین فرق نہیں کیا گیا، مثلاً: دیکہی (دیکھی)، ٹہکانے (ٹھکانے)، سمجہاوے (سمجھاوے)، بہادوں (بھادوں)، بہی (بھی)، تمہاری (تمھاری)، سبہی (سبھی) وغیرہ

(۶) ہائے ہوز اور ہائے دوچشمی میں فرق روا نہیں رکھا گیا۔ اندہیرا (اندھیرا)، آدہی، (آدھی)، اندہیار (اندھیار)، پڑہنے (پڑھنے)، دہن (دھن)، منجدہار، (منجدھار) وغیرہ

(۷) بعض الفاظ کو ہائے ہوز کے بجائے ہائے حطی سے لکھا گیا، جیسے: مرحم (مرہم) وغیرہ

(۸) قدیم روشِ املاً کے مطابق لفظوں کو جوڑ کر لکھنے کی روایت کو برقرار رکھا گیا ہے، جیسے: اوسرات (اُس رات)، اوسکیکا (اُسی کے کا)، جگمین (جگ میں) تنگی

(تن کی)، وغیرہ

(۹) بعض الفاظ کو توڑ کر لکھا گیا، مثلاً: جھول تی (جھولتی)، لی نا (لینا)، اوڑی کا (اوڑیکا)، کھٹ کا (کھٹکا) وغیرہ

(۱۰) بعض الفاظ بائے دوچشمی کے بغیر لکھے گئے، مثلاً: مج (مجھ)، تج (تجھ) وغیرہ

(۱۱) بارہ ماہیے کے متن میں نون اور نونِ غنہ میں تفریق روا نہیں رکھی گئی، مثلاً: شیرین (شیریں)، کہین (کہیں)، دوجہان (دوجہاں) وغیرہ

(۱۲) بعض الفاظ میں کاف ہندی کے بجائے کاف برتا گیا۔

(۱۳) بعض الفاظ کے املا میں 'ظ' اور 'ذ' کی تخصیص نہیں کی گئی، جیسے: 'نذر' کو 'نظر' لکھا گیا ہے۔

(۱۴) ایک آدھ لفظ کے آخر میں نونِ غنہ کا ایزاد کیا گیا، جیسے: کئیں (کئی) وغیرہ

(۱۵) بعض الفاظ میں بائے مختفی کے بجائے یائے معروف اور یائے مجہول کا استعمال کیا گیا، جیسے: پی (پہ)، پے (پہ) وغیرہ

(۱۶) بعض الفاظ میں یائے مجہول کے بجائے بائے مختفی کا استعمال کیا گیا، جیسے: دہ (دے) وغیرہ

(۱۷) بعض الفاظ میں مختلف حروف کا ایزاد کیا گیا، مثلاً: بجلی (بجلی)، یکدام (یک دم) وغیرہ

(۱۸) بعض الفاظ میں مختلف حروف کی تخفیف کی گئی، جیسے: آنک (آنکھ)، بچاری (بیچاری)، بنائی (بینائی) وغیرہ

بارہ ماهیۂ نجم میں:

(۱) بعض الفاظ اپنے درست تلفظ کے بجائے علاقائی اور مقامی تلفظ کے مطابق نظم ہوئے، مثلاً: عقَل بجائے عقْل، ذکَر بجائے ذِکْر، مرَض بجائے مرْض وغیرہ۔

(۲) بعض پنجابی الفاظ غلط تلفظ کے ساتھ نظم ہوئے، مثلاً: سُرت بجائے سُرت، سرَس

بجائے سرس۔

(۳) بعض الفاظ کی تذکیر وتانیث پر علاقائی اور مقامی زبانوں کے اثرات دکھائی دیتے ہیں، جیسے: دارو، حاجت روا اور راہ وغیرہ۔ شاعر نے اول الذکر دو الفاظ کو مؤنث اور مؤخر الذکر کو مذکر برتا ہے۔

(۴) کئی مقام پر شاعر نے فارسی لفظ ناحق (نا+حق) پر ہندی کے سابقے 'الف' ایزاد کر کے اسے نفی کے معنوں میں برتا ہے، حالانکہ اس لفظ میں 'نا' کا سابقہ نفی کی معنویت کا اظہار یہ مرتب کر رہا ہے۔

(۵) کئی جگہ شاعر نے 'نہ' اور 'مت' کو یکجا استعمال کیا ہے۔

(۶) اکثر مقامات پر صوتی قوافی استعمال کیے گئے ہیں، جیسے: 'سین' اور 'شین'، 'تے' اور 'ٹے' اور 'ڈال' اور 'ر' اور 'ڑے' اور 'ڑ' وغیرہ کو باہم قافیہ کیا گیا ہے۔

● لفظی، معنوی، صرفی اور نحوی جمالیات:

برج الفاظ: ستی، سیں، سیتی، سیتیں، سوں وغیرہ

پنجابی الفاظ: پینڈے، اوکھے، کدھی، اوٹھی، توں، کنی، کن، وسے، جھک، کودایا، پیڑ، چنگا، جیبھ، جگ، سرس، سرت، دارو، بچارا، وکھیا، مت (مبادا) وغیرہ

سندھی الفاظ: کرہا، کرہلا وغیرہ

کھڑی الفاظ: سیانی، نسدن، برہ، درس، نیارا، دوو، بجن، فالی، سکن، ساجن وغیرہ

ہندی الفاظ: پیتم، پیت، پی، پیو، پیا، مکھ، مکھڑا، نانو، سدھنا، ناگن، رین، نین، گاڑی، سکھی، بید، کارنی، ناٹی، درشن، ماس، نسنگ، مڑار، ریکھ، کرتار، جتن، بینہ، نیہ، جنئیو، گیان، دھیان، بھئی، بھیا وغیرہ

راجستھانی الفاظ: ہرد، اوسیر

مذہبی اور متصوفانہ لفظیات: بسم اللہ، رحمٰن، رحیم، معبود، بے جہت و مکاں، مقصود، دو جہاں، موجود،

ظاہر، جلوہ، تجلی، اوّل، آخر، واللہ، شکلِ لایزالی، نقاب، ذرہ، ملک، میم، غفور، احمد، ظہور، رمز، دستور، رنگ، بے رنگ، محمدؐ، لباسِ احمدی، رازِ سرمدی، اظہار، شانِ یوسفی، جمالِ یوسفی، زلیخا، عشق، عاشق، معشوق، پیر، مرشد، طبیبِ عشق، خدا، دوعالم، نظارہ، جلوہ گر، مشتاق، راہِ دل، طالب یار، مقبول، غیر، فنا، پردہ، ہستی، دل، سلیم القلب، برہان، نبی، قول، درگاہِ باری، کامل، مطیع، جن وانس، حاجت روا، فیض، مقرب، قبلۂ حاجت، نکاح، قیس، لیلیٰ، شیریں، فرہاد، قبر، منکر نکیر، ولی، حق، وظیفے، الحمدللہ، واصل، مسجد، غفلت، صورت، توجہ، تصور، حشر، محشر، قیامت وغیرہ

تراکیب: بارِ ہجراں، عذابِ ہجر، شرابِ ارغوانی، غمِ دارین، مئے وحدت، لختِ دل، ایامِ غم، احوالِ دل، زکوٰۃِ حسن، شاہِ جہاں، قولِ یار، بارِ ہجر، روئے جانی، روئے سجن، خدنگِ ہجر، پیشِ جانی، گفتارِ غم، دردِ دل، آتشِ سینہ، حبِ جہاں، شئہ گلشن، شکل لایزالی، بے جہت ومکاں، لباسِ احمدی، رازِ سرمدی، جمالِ یوسفی، قلوبِ عاشقاں، سلیم القلب، ذاتِ باری، نصف الملاقات وغیرہ

● مصادر کی مختلف صورتیں:

(۱) واوٴ کے ایزاد کے ساتھ: آونا، جاونا، رولانا، لوبھانا، بلاونا، دکھاونا، سہاونا، باونا وغیرہ

(۲) الف کی تخفیف اور علامتِ نون کے ساتھ: کہن، سنن، ملن، آون، ڈھونڈن، مرن، پوچھن، جلاون، دلاون وغیرہ

(۳) وہ مصادر جو مختلف زبانوں اور بولیوں کے ارتباط سے اردو میں مروج رہے، مگر اب یہ متروک ہو گئے ہیں، جیسے: تیاگنا، اگنا، قبولنا، سوکھنا، کوکنا، وسنا، سارنا، چھالنا، پھٹنا، کیلنا، بھجانا، پٹھانا، کھوسنا، اڈیکنا، چسنا (روشن کرنا)، بڑنا (داخل ہونا)، چکارنا، کودانا، کاڑنا، تجنا، باونا (ڈالنا)، چھاڑنا (چھوڑنا) وغیرہ

(۴) بعض مصادر کے آخر میں نونِ غنہ کا ایزاد: بھاناں، جاناں، سہاوناں وغیرہ

● اسمِ اشارہ: جا (جو، جس)، وا (وہ، اُس) وغیرہ

● اسمائے ضمیر: تُمری (تمھاری)، ہمری (ہماری)، توں (تو)، توہ (تو)، تیں (تو)، تہاری (تمھاری)، جنھوں (جن)، انھوں (اُن)، جن (جس)، اُن (اُس)، مو (میں، مجھ، میرا، مجھے) وغیرہ

● اس بارہ ماہیے میں جمع بنانے کی چار صورتیں دکھائی دیتی ہیں:

(الف) 'اں' سے جمع بنانے کی مثالیں: سکھیاں، نیناں، رمزاں، کاناں، پتیاں، بتیاں، میارکاں، مراداں، نفلاں، غریباں، نصیباں، عندلیباں، قندیلاں، تعویذاں، معشوقاں، پھولاں، انکھیاں، خوشیاں، گھراں، باتاں، جھڑیاں، چوڑیاں، ماریاں، ساریاں، پیاریاں، ناریاں، تیرتھاں، پہاڑاں، بہاراں، داں، گاریاں، تقصیراں، قدرتاں وغیرہ

(ب) 'وں' سے جمع بنانے کی مثالیں: نینوں، چشموں، وصفوں، دلوں، مستحقوں، نصیبوں، انکھیوں، وقتوں، راتوں، کرموں، گلابوں، سکھیوں، اگنوں، سیانوں، ملکوں، تارکوں طبیبوں وغیرہ

(ج) 'یں' سے جمع بنانے کی مثالیں: ہاریں، سہیلیں وغیرہ

(د) 'ے' کے ساتھ جمع بنانے کی مثالیں: بھروسے، دل فگارے، چارے، چھالے، وظیفے وغیرہ

● اردو بارہ ماہیوں کی قدیم اور مروجہ روایت کے مطابق اس بارہ ماہیے میں بھی کئی الفاظ میں مختلف حروف کو ایک دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے، مثلاً:

(۱) حرف 'لام' پر 'رے' کو ترجیح دی گئی ہے، جیسے: بوری (باولی)، بادری (بادل)، پیری (پیلی)، جارے (جلائے)، ٹارے (ٹالے)، کاری (کالی)، بورا (باولا)، جارنا (جلانا)، جروں (جلوں)، باورے (باولے)، بار (بال) وغیرہ

(۲) ایک آدھ لفظ میں 'ڑے' پر 'رے' کو ترجیح دی گئی ہے، مثلاً: موری (موڑی) وغیرہ

(۳) 'فے' پر 'پھے' اور 'ضاد' پر 'زے' کو ترجیح دی گئی ہے، مثلاً: پھیز (فیض) وغیرہ

● بارہ ماھیۂ نجم میں شاعر نے اردو زبان کی قدیم روایت کے زیرِ اثر مختلف حروف کو محذوف رکھا ہے۔ چند مثالیں:

کر:

کوئی گل ٹانک دستارِ سجن پر

کے:

کہ ہارا جس لیے سارا جو مارا

•

کری ہرگز نہ یاری اُس کرم نے

نے:

کہ جس مجھ ناتواں کا دل ہرا ہے

•

جـعـلـنـانـومـکـم جوحق کہا ہے

•

میں چلتے وقت اُن کو کہہ دیا تھا

کو:

کہ اس کرنے سے پیتم گھر میں آوے

•

کہ جس دیکھے سے سب دکھ دور جاوے

کی:

جدائی یار نے دل جار گھیرا

● افعال:

(ا) فعل حال کے اظہار کے لیے افعال کی چند صورتیں:

(الف) i۔ جروں ہوں (جل رہی ہوں)، مروں ہوں (مر رہی ہوں)، ڈروں ہوں (ڈر رہی ہوں)، پھروں ہوں (پھر رہی ہوں) وغیرہ

ii۔ جرے ہے (جل رہا ہے)، مرے ہے (مر رہا ہے)، کرے ہے (کر رہا ہے) وغیرہ

iii۔ کری ہوں (ہوئی ہوں، کی ہے، کر رہی ہوں) وغیرہ

iv۔ بسے ہے (بستا ہے، رہتا ہے) وغیرہ

v۔ کوکے ہے (کوکتا ہے) وغیرہ

(ب) i۔ سووتا ہے (سو رہا ہے، سوتا ہے)، ہووتا ہے (ہو رہا ہے، ہوتا ہے) وغیرہ

ii۔ جاوتی ہے (جاتی ہے، جا رہی ہے) وغیرہ

iii۔ آوتا ہے (آتا ہے، آرہا ہے)، بھاوتا ہے (بھاتا ہے) وغیرہ

(ج): کریں ہیں (کرتی ہیں) وغیرہ

(د): بھگو ہو (بھاگتی ہو، بھاگ رہی ہو)، لگو ہو (لگتی ہو) وغیرہ

(ہ): پھاٹت ہے (پھٹ رہا ہے) وغیرہ

(و): نکست ہے (نکل رہا ہے) وغیرہ

(ز): کوکت ہیں (کوک رہے ہیں) وغیرہ

(ح): بسیں ہیں (بستے ہیں، رہ رہے ہیں) وغیرہ

(ط): آوے ہے (آئے ہے، آتا ہے) وغیرہ

(ی) لگوں ہوں (لگتی ہوں) وغیرہ

(۲) فعل مضارع اور فعل مستقبل کے استعمال کی مختلف صورتیں:

(الف): ہووے (ہو، ہوگا) وغیرہ

(ب): جاویں (جائیں)، آویں (آئیں)، کہاویں (کہلائیں)، سناویں (سنائیں) وغیرہ

(ج): جاوے (جائے)، پاوے (پائے) وغیرہ

(د): ہوو (ہو) وغیرہ

(ہ): ہیگا (ہے، ہوگا) وغیرہ

(و): ہینگی (ہے، ہوگی) وغیرہ

(ز): ہینگے (ہیں، ہوں گے) وغیرہ

(ح): ہووے گی (ہوگی) وغیرہ

(ط): رہ گئی (رہے گی) وغیرہ

(ی): ہوویں گے (ہوں گے) وغیرہ

(ک): پہنچ سی (پہنچے جائے گا) وغیرہ

(ل): ہوئے سی (ہوگا) وغیرہ

(م): آؤسی (آئے گا)، پاؤسی (پائے گا) وغیرہ

(۳) فعل ماضی کے استعمال کی مختلف صورتیں:

(الف): جروں تھی (جل رہی تھی)، رہوں تھی (رہتی تھی، رہ رہی تھی) وغیرہ

(ب): ہویا (ہوا) وغیرہ

(ج): ہووی (ہوئی) وغیرہ

(د): کیتا (کیا) وغیرہ

(ہ): دینو (دیا) وغیرہ

(و): کینا (کیا) وغیرہ

(۴) فعل امر کے اظہار کی صورت آرائی:

کہیو (کہو)، رہیو (رہو)، مانیو (مانو)، لائیو (لاؤ)، جانیو (جانو) وغیرہ

● ضمیر جمع غائب کے لیے واحد فعل کا استعمال:

کہ تھی جوبن اندر بھرپور ساری

جوان و خوبرو یک رنگ سب تھی



حقیقت میں تھی ہم یک نور ساری



کہ یک ڈیرے کے اندر سنگ سب تھی



گئی لے کے سبھی تحفے پیا کن



جو تھی ساتھن زلیخا کی وے ساری



تمامی خواہشیں دل سے مٹائی

• جمع متکلم کے لیے واحد فعل کا استعمال:

ہر اک طرح کے ہم سب کھیل کھیلی



• واحد متکلم کے لیے جمع فعل کا استعمال:

صبا جو باغ میں دیکھے سجن کو
کریں یہ عرض میرے ذوالمنن کو

[۸]

لسانی اعتبار سے نجم الدین سلیمانی کی زبان کا دائرۂ اثر کئی زبانوں اور بولیوں کے اثرات کو محیط ہے۔ اِس میں ہریانی کا رنگ بھی ہے اور راجستھانی کا رس بھی؛ پنجابی کی خوشبو بھی ہے اور برج کا آہنگ بھی؛ سندھی کے چند الفاظ بھی اِس بارہ ماسے کی منظر آرائی میں معاون ہیں اور ہندی لفظیات کی جلوہ آرائی بھی کم نہیں؛ عربی اور فارسی کے متعدد الفاظ پنجابی اور راجستھانی تلفظ اور آہنگ میں نظم ہوئے۔ اسلوبِ اظہار اور لفظیات کا در و بست دیہاتی پس منظر میں پیش منظر کا وہ

منظر نامہ مرتب کرتا ہے، جس سے بارہ ماسے کی عوامی اور لوک تہذیب کا معنوی پیرایۂ اظہار اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ دکھائی دیتا ہے، اس سے اس عوامی صنفِ سخن کا تہذیبی اور ثقافتی کینوس اپنی معنوی اور فکری وسعت آشنائی سے مملو ہو کر، صدیوں کے تناظر میں پھیلتی، اردو زبان کی اُس صدائے بازگشت سے باہم آمیخت ہو جاتا ہے، جو سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہوں اور ان کے حجروں کی پُر انوار مکاشفاتی صداقتِ احساس اور طرزِ اظہار کی جمالیاتی حقیقت سے منکشف ہو رہا ہے۔

[تحقیق نامہ: مجلہ شعبۂ اردو نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد: ۲۰۱۲ء/ بارہ ماھیۂ نجم: الفتح پبلی کیشنز، راول پنڈی: ۲۰۱۲ء]

حوالے:

(۱) اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں: تخلیق مرکز، لاہور: س۔ن: ص ۱۸۰

(۲) بکٹ کہانی مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی و ڈاکٹر مسعود حسین خان: اُتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ: بارِ دوم ۱۹۸۶ء: ص ۵۔۶

(۳) اردو میں بارہ ماسے کی روایت..... مطالعہ و متن: اردو اکادمی، دہلی: بارِ دوم ۲۰۰۰ء: ص ۵۳

(۴) تاریخ مشائخ چشت: ادارۂ ادبیات، دہلی: ۱۹۸۴ء: ص ۳۱۲۔۳۱۳

(۵) بارہ ماھیۂ نجم (دیوناگری رسم الخط میں): درگاہِ عالیہ حاجی نجم الدین سلیمانی، فتح پور شیخاواٹی: ۱۴۲۹ھ: ص ۵۔۶

مجالسِ کلیمی کا تنقیدی مطالعہ

[۱]

مجالسِ کلیمی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) کے ملفوظاتِ گرامی کا نہایت ہی نادر اور عمدہ مرقع ہے۔ یہ گراں قدر مجموعۂ عرفان و معرفت چودہ مجالس کی روداد پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب اور جامع مولانا نظام الدین اورنگ آبادی (م۱۱۴۲ھ) کے مرید اور خلیفہ خواجہ محمد کامگار خاں حسینی ہیں۔ اس کی ترتیب وتہذیب ۱۱۳۱ھ میں عمل میں آئی۔ خواجہ محمد کامگار خاں حسینی شاہی لشکر سے وابستہ تھے۔ ۳۔محرم ۱۱۳۱ھ میں وہ امیر الامرا سید حسین علی خاں کے ہمراہ بلدۂ خجستہ بنیاد اورنگ آباد سے براستہ دارالسرور برہان پور، دہلی کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ تقریباً دو ماہ میں اُن کا قافلہ دہلی پہنچا۔ ۲۷۔ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ کو پہلی بار وہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی بارگاہِ عرش مقام میں ناصیہ فرسا ہوئے اور ۸۔ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ کو وہ آخری بار مجلس میں شریک ہوئے اور مجلس کے اختتام کے معا بعد اورنگ آباد کی جانب مراجعت فرمائی۔ وہ دہلی میں تہتر (یا رویتِ ہلال کے مطابق اکہتر یا بہتر) دن مقیم رہے۔ ان ایام میں اُنھیں چودہ بار مجالسِ کلیمی میں ناصیہ فرسائی کی سعادت میسر آئی۔ اُنھوں نے اپنے دادا مرشد کی گفتگوئے دلنواز کو دل کے کانوں سے سُنا اور محبت کی زبان میں اس کی ترقیم کی۔ مرتب کے بھائی خواجہ محمد نور الدین بھی بارگاہِ کلیمی میں اپنی جبینِ نیاز جھکانے کے آرزومند تھے، لیکن خرابیِ صحت کی بنا پر اُنھیں مولانا نظام الدین اورنگ آبادی نے سفر کی اجازت نہ دی اور یوں وہ اپنے پیر و مرشد کی بارگاہِ فلک آثار میں حاضر رہے۔ جس روز جامعِ ملفوظات دہلی میں وارد ہوئے، اُسی روز خواجہ محمد نور الدین نے اورنگ آباد میں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ خواجہ کامگار حسینی رقمطراز ہیں کہ:

"از گردشِ دورانِ دون و از نیرنگیِ زمانۂ بوقلمون به تاریخ بیست

و هفتم ماهِ ربیع الاوّل سنهٔ مذکور واقعهٔ جان کاه عالم سیاه اخوی محمدنورالدین به میان آمد۔ دلِ مهجور باین داغِ ابدی و باین دردِ سرمدی مبتلاشده:

قلم تا سر کند این داستان را
به آبِ تیغ می شوید زبان را

ازسماعِ این حادثهٔ پُرسوز و گداز حالتی روی داده که در تحریر نمی توان آورد۔ چون ازین امرِ خطیر چاره نیست، لاچار صبر نموده و پیش از رسیدنِ این خبر موحش در خاطر داشت که جهتِ برادرم مرحوم تحفهٔ این سفر به ازین نیست که آنچه از زبانِ کرامت ترجمان حضرتِ ولایت مرتبت مسموع می شود، درتحریر بیار دو روی داد۔ مجالسِ همایون که در ان حاضر بود، برنگارد و بعدِ ملاقات به برادرِ عزیز بگذرا ند۔باین اراده این رساله تالیف نموده بود و مسمی به مجالسِ کلیمی کرده ۔در همین حال خبرِرحلتِ اخوی علیه الرحمة رسید۔ پس از افسوسِ بسیارو تاسفِ بی شمار فوائد یکه جمع کرده بود، ترتیب داده هر خواننده وشنونده که ازین فوائد بهره مند گردد،این عاصی سراپا تقصیر و برادرِعزیز محمد نورالدین مرحوم را به فاتحه و دعایِ خیر یاد کند که باعثِ نجات و علوِدرجاتِ آن مرحوم و مغفور واین محزون ومهجور گردد“۔(۱)

خواجہ محمد کامگار خاں جتنے دن دہلی میں مقیم رہے، وہ اپنے بھائی کی موت سے لاعلم رہے۔ مجالسِ کلیمی میں کہیں بھی اُن کی رحلت کا تذکرہ نہیں ہوا۔شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، خواجہ محمد نورالدین حسینی سے بھی بہت محبت کرتے تھے، کیونکر ممکن ہے کہ اُن کی موت پر مجلسِ تعزیت برپا نہ

ہوتی اور اُن کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ نہ ہوتا؟ خواجہ کامگار خاں حسینی کے قیامِ دہلی کے زمانے میں اورنگ آباد سے مولانا نظام الدین کا ایک آدھ خط بھی بارگاہِ کلیمی میں شرفِ صدور لایا۔ اُس خط کا تذکرہ ساتویں مجلس میں ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ خط خواجہ نورالدین حسینی کی زندگی میں لکھا گیا ہوگا، وگرنہ اُس میں اُن کی موت کا یقیناً تذکرہ ہوتا۔ ان دونوں بھائیوں کو اپنے شیخ کی بارگاہِ تقدس مآب میں جو شفقت اور توجہ میسر تھی، اُس کے پیشِ نظر یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پروفیسر محمد اسلم رقمطراز ہیں کہ:

> ''اُسی زمانے میں اُنھیں یہ اطلاع ملی کہ اُن کی عدم موجودگی میں دکن میں اُن کے بھائی محمد نورالدین کا انتقال ہو گیا ہے۔ خواجہ کامگار خاں نے اپنے مرحوم بھائی کے ایصالِ ثواب کی خاطر شاہ کلیم اللہ کی چودہ مجالس کے ملفوظات مجالسِ کلیمی کے عنوان سے مرتب کیے''۔ (۲)

پروفیسر صاحب موصوف دیباچے کی عبارت کے چند جملوں کی عدم تفہیم سے اس مغالطے میں پڑ گئے کہ خواجہ محمد کامگار خاں نے اپنے بھائی کے ایصالِ ثواب کے لیے اُن مجالس کی روداد نویسی کی، حالانکہ وہ اپنے سفرِ دہلی کے ارمغان کے طور پر اُنھیں مجالسِ کلیمی پیش کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اُنھوں نے مندرجہ بالا اقتباس میں بھی لکھا ہے، لیکن شومیِ قسمت جب وہ وطن واپس گئے، تو بھائی دنیا ہی میں نہ تھے۔ اُنھوں نے جب مجالسِ کلیمی کا دیباچہ لکھا، تو گویا دل نکال کر صفحۂ قرطاس پر رکھ دیا۔

[۴]

خواجہ کامگار خاں حسینی، خواجہ برہان الدین کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خواجہ علاء الدین عطار سے ملتا ہے، جو خواجہ بہاء الدین نقشبند کے داماد تھے۔ اُنھیں کی نسبت سے یہ لوگ عطاری بھی کہلاتے تھے۔ اِن کا خاندان صدیوں تک سلسلۂ نقشبندیہ کا ارادت کیش رہا، لیکن یہ دونوں بھائی سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اِن کے بزرگوں کا وطن لاہور تھا۔ یہ دونوں بھائی اورنگ آباد میں مقیم تھے اور اُسی شہرِ خوش آثار کی خاک میں مدفون ہوئے۔

خواجہ کامگار خاں شاعر بھی تھے اور شاعری میں عالی تخلص کرتے تھے۔ مجالسِ کلیمی کے دیباچے میں اُنھوں نے اپنے بھائی کا جو مرثیہ لکھا ہے، اِس سے شاعری میں اُن کی فکری اور فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نثر میں بھی اُنھوں نے تین کتابیں لکھی ہیں۔ اِس مجموعۂ ملفوظات کے علاوہ اُنھوں نے اپنے پیرومرشد کے دو ملفوظاتی مجموعے بھی مرتب کیے: (۱) احسن الشمائل (۲) ملفوظاتِ مولانا نظام الدین اورنگ آبادی

یہ دونوں مجموعے ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور اِن کے قلمی نسخے سلسلۂ چشتیہ کے مختلف کتب خانوں میں مل جاتے ہیں۔

[۳]

مجالسِ کلیمی مطبع برہانیہ، حیدر آباد سے ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی، لیکن اب یہ مطبوعہ نسخہ نایاب ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی (م۱۹۹۷ء) نے سالار جنگ میوزیم میں موجود اس کے خطی نسخے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (۳) احمد منزوی کی مرتبہ فہرست میں پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود اِس کے چار نسخوں کی جو تفصیلات دی گئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

"دیره غازی خان ،تونسه شریف،آستانۂ سلیمانیه،فقیر محمود سدیدی:نستعلیق پخته: ۱۲٤۱ ه :ازروی خط نگارنده، آغاز برابر (ص ۱ ـ ٤٥)نعیم اختر محددی

کراچی ،انجمن ترقي اردو:اق ف ۹۳/۱:نستعلیق :سدهٔ ۱۳ ه :آغاز :مجلس اوّل :روزیك شنبه بیست و هشتم ربیع الاوّل ۱۱۳۲ه سعادتِ قدم بوسی حاصل شد(ص ۱ ـ ۵۹)عارف نوشاهی

اتك ،مکهڈ:کتب خانۂ مولانا محمد علی ،محمد صالح :نستعلیق محد الدین[؟]۱۳۵٦ه:آغاز برابر نمونه(ص ۱۲٤) پروفیسر ملك محمد اقبال

ملتان،جهانیاں،چك ۱/۱۱٤ـ آر: کتب خانهٔ الله بخش اسد نظامی،:نستعلیق خوش: گل محمد چودهرانی[؟]۱۷ـ صفر ۱۳٦۰ه : آغاز برابر نمونه:نخستین

مجالس ۲۷ ع ۱/ ۱۱۳۲ھ و أخرین ۷ ج ۱/ ۱۱۳۲ھ و رویهم ۱۳ مجلس
ست (ص ۴۰) سعید الظفر نوشاہی"۔(۳)

راقم کے پیشِ نظر مجالسِ کلیمی کے دو قلمی نسخے رہے ہیں۔ کوششِ بسیار کے باوجود بھارت، کراچی اور جہانیاں کے نسخوں تک رسائی ممکن نہ ہو سکی۔

مجالس کلیمی کا نسخہ اول تونسہ مقدسہ کے کتب خانے کا مخزونہ ہے، جبکہ نسخہ ثانی مَاھڈ شریف کا مملوکہ ہے۔

تونسہ مقدسہ کا نسخہ ۱۳۔ ذی الحج ۱۳۴۱ھ کا مرقومہ ہے۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ وہ کون تھا اور اُس نے کس نسخے سے کہاں اور کس کے لیے اس نسخے کی ترقیم کا اہتمام کیا؟ ترقیمہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سوالات کا کوئی جواب میسر نہیں۔ غنیمت ہے کہ اُس کاتب کی بدولت اس درِ بے بہا کو بقائے دوام کے بازار میں حیاتِ جاوداں مل گئی۔ اس کتب خانے سے کسب فیض کرنے والے اپنے اپنے رنگ میں اس نسخے کی دید و باز دید سے مستفیر ہوتے رہے۔ مولوی محمد الدین مَاھڈی (م ۱۹۷۵ء) نے اپنے کتب خانے کے لیے اس کی نقل تیار کی۔ کئی نسخہ شناس اس کے کوائف مرتب کرتے رہے۔ پروفیسر محمد اسلم نے اس پر بھرپور مقالہ لکھ کر اس کے مالہ و ماعلیہ سے قارئین کو آگاہ کیا اور اب یہی نسخہ اس انتقادی مطالعے کی اساس قرار پایا۔

یہ نسخہ ۲۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ دورِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس پر صفحات نمبر بھی لگانے گئے ہیں۔ ہر صفحے پر ۱۶ سطریں ہیں اور ہر سطر چودہ پندرہ لفظوں کو محیط ہے۔ خط صاف اور خوانا ہے، لیکن خوب صورت اور دیدہ زیب نہیں۔

نسخہ مَاھڈ شریف مولوی محمد الدین مَاھڈی کا دست نوشتہ ہے۔ اس کی کتابت ۱۴۔ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ کو تکمیل آشنا ہوئی۔ یہ نسخہ تونسہ مقدسہ میں لکھا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے کئی مقامات پر ان اغلاط سے بچنے کی کوشش کی، جو تونسہ مقدسہ کے نسخے میں راہ پا گئی تھیں۔ یہ نسخہ ۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر سطروں کی تعداد کم از کم پچیس اور زیادہ سے زیادہ انتیس ہے اور ہر سطر میں کم از کم بیس الفاظ ہیں۔ کاتب کا خط خوانا ہے، مگر صاف اور خوب صورت نہیں۔

[۴]

مجالس کلیمی پر فوائدالفواد کی فکری اور تکنیکی گرفت بہت مضبوط ہے۔خواجہ محمد کامگار خاں حسینی نے امیر حسن علاء سجزی دہلوی (م ۷۳۸ھ) کے اُسلوب اور رنگ میں مجالس کو وقت، دن، تاریخ اور سنہ وسال کے تذکرے سے مزین کر کے تاریخی مناظر کی معنوی جمالیات کے آنگن میں عکس انداز کیا ہے، جس سے مرتب کے تاریخی شعور اور اُس معاشرے پر تاریخ و ثقافت کی فکری اثر اندازی کی تفہیم اور تعبیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مجموعۂ ملفوظات کی مجالس کی تاریخ وار تفصیل حسب ذیل ہے:

- مجلسِ اوّل: ۲۷ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ بروز ہفتہ
- مجلسِ دوم: ۴۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ سوم: ۶۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز اتوار
- مجلسِ چہارم: ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات
- مجلسِ پنجم: ۱۱۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ ششم: ۱۴۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر
- مجلسِ ہفتم: ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات
- مجلسِ ہشتم: ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ نہم: ۲۰۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز اتوار
- مجلسِ دہم: ۲۱۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر
- مجلسِ یازدہم: ۲۶۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز ہفتہ
- مجلسِ دوازدہم: ۲۸۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر
- مجلسِ سیزدہم: ۷ جمادی الاوّل ۱۱۳۱ھ بروز بدھ
- مجلسِ چہاردہم: ۸ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات

اگر اس مجموعے میں زمانی اور تاریخی تناظر کی جلوہ آرائی کے مناظر اپنے تمام تر جمالیاتی

اُسلوب میں مرتسم نہ ہوتے، تو تاریخ کے کئی رنگ ہمارے نظروں سے اوجھل ہو کر زمانے کی گرد میں گم ہو جاتے، مثلاً: خواجہ محمد نورالدین کی تاریخِ وفات کا تذکرہ کسی دوسرے ماخذ اور منظرنامے میں مذکور نہیں۔ پہلی اور آخری بار اِس واقعے کی تاریخی تعبیر اِس مجموعۂ ملفوظات میں منعکس ہوتی ہے اور مرحوم کی محبوبانہ روشِ زیست کا اظہار یہ بن کر ماحول کو اُداسی اور ملال کی کیفیت سے ہم آہنگ کرتی ہے اور اُن کے اوصافِ حمیدہ کے تناظر میں مرتب کا دُکھ اور کرب، تخلیقی طرزِ احساس کے قرینے میں ڈھل جاتا ہے۔ اسی طرح جامع مسجد دہلی میں جمعے کے روز رفیع الدرجات کی آمد پر استقبال کے لیے امیرالامرأ سید حسین علی خاں اور قطب الملک یمین الدولہ سید عبداللہ خاں کی موجودگی اور پھر رفیع الدرجات کی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی محفل میں جبیں سائی کے مناظر کسی دوسرے تذکرے میں مذکور نہیں۔ صرف یہی مجموعۂ ملفوظات ان مناظر کا عکس گر ہے۔

[۵]

مجالسِ کلیمی کے خطی نسخوں میں چند اغلاط پائی جاتی ہیں۔ تین کی طرف پروفیسر محمد اسلم نے توجہ دلائی ہے۔ یہ تصحیحات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ نسخہ خوانی کے عمل میں پروفیسر صاحب موصوف سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں، جن کی تصحیح بھی ضروری ہے، تا کہ متن اور اس کے مندرجات کو اُن کے صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے۔

> (۱) ''شاہ کلیم اللہ نے ایک روز حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ شاہی کتاب خانے میں فصوص الحکم کا ایک نسخہ تھا، جو مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ فرخ سیر نے وہ کسی نااہل شخص کو دے دیا اور اُس نے ضائع کر دیا''۔ (۵)

پہلی بات تو یہ کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے حاضرین کو نہیں بتایا کہ فصوص الحکم کا نسخہ فرخ سیر نے کسی نااہل کو دے دیا اور دوسرا یہ۔ 'اور اُس نے ضائع کر دیا'۔۔۔ زائد از متن ہے اور مقالہ نگار کا اضافہ۔ متن کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

> '' شخصی از حضار عرض نمود کہ: کتابِ فصوص [الحکم] بہ خطِ مصنف در کتب خانۂ فرخ سیر بود۔ در ایام سلطنت بہ فلان شخص کہ لائقِ انعام

آں نہ بود، بخشید ''۔(۶)

(۲) '' کامگار خاں لکھتے ہیں کہ اورنگ آباد میں اُن کے شیخ طریقت حضرت نظام الدین کے کتب خانے میں بھی فصوص الحکم موجود تھی''۔(۷)

شاہ کلیم اللہ جہاں آباد نے خواجہ کامگار خاں سے پوچھا کہ: کیا مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کے کتب خانے میں فصوص کا نسخہ موجود ہے؟ جواباً مرتبِ ملفوظات عرض گزار ہوا کہ: دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ کسی نے عاریتاً لیا، لیکن واپس نہ کیا۔ البتہ دوسرا نسخہ کتب خانے میں محفوظ ہے۔

(۳) '' ایک روز کامگار خاں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو وہاں کتاب شرح الصدور کا ترجمہ سنایا جارہا تھا''۔(۸)

مجلسِ کلیمی میں شرح الصدور کا ترجمہ نہیں سنایا جارہا تھا، بلکہ غریب نواز متنِ کتاب کا تقابل کررہے تھے اور حاضرین کے استفادے کے لیے عربی سے ترجمہ بھی کرتے جارہے تھے۔ مرتب نے زبان کا تذکرہ تو نہیں کیا، مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ فارسی زبان میں کیا جارہا تھا، جو اُس زمانے کی علمی، ادبی اور تدریسی زبان تھی۔

اسی طرح مجالسِ کلیمی کے حوالے سے پروفیسر خلیق احمد نظامی سے تاریخ مشائخ چشت میں چند تسامحات ہوئے ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) '' کامگار حسینی دہلی میں ہی تھے کہ بھائی کے انتقال کی خبرِ وحشت اثر اُن کو ملی''۔(۹)

خواجہ کامگار حسینی قیامِ دہلی کے دوران میں، اپنے بھائی خواجہ نورالدین حسینی کی وفات سے بے خبر رہے۔ مجالسِ کلیمی کی کسی بھی مجلس میں اُن کی رحلت کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر توجہ سے مجالس کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ذکرِ خیر جن مجالس میں بھی آیا ہے، اُس سے اُن کا زندہ ہونا ثابت ہے، مثلاً: پہلی اور آٹھویں مجلس کے احوال وغیرہ

(۲) '' اب اُس دلی کیفیت کی تسکین کے لیے جو واپسی پر بھائی سے نہ ملنے کے خیال سے پیدا ہوئی تھی۔ اُنھوں نے یہ سوچا کہ: مجالسِ شیخ کا حال لکھ کر مرحوم کی روح کو خوش کریں''۔(۱۰)

خواجہ کامگار خاں حسینی مجالسِ کلیمی کو اپنے سفرِ دہلی کے ارمغان کی صورت میں خواجہ نورالدین کی نذر کرنا چاہتے تھے (جیسا کہ دیباچے میں مذکور ہے)۔ اُنھوں نے کہیں بھی یہ

نہیں لکھا کہ وہ مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے اپنے دادا مرشد کی محافل کا احوال رقم کررہے ہیں۔قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دیباچۂ کتاب اورنگ آباد واپس جا کر لکھا ہوگا۔

(۳) ''وہ ۲۸۔ربیع الاوّل ۱۱۳۲ھ سے ۲۰۔جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ تک شیخ کی خدمت با برکت میں رہے''۔(۱۱)

خواجہ کامگار حسینی ۲۷۔ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ کو پہلی بار خدمت شیخ میں حاضر ہوئے۔پہلی مجلس کے احوال بھی ۲۷ویں تاریخ کو رقم ہوئے۔وہ آخری بار ۸۔جمادی الثانی کو مجلس کلیمی میں باریاب ہوئے۔پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سنہ وسال کے ساتھ ساتھ تاریخیں بھی غلط لکھی ہیں اور ایک مہینے (جمادی الثانی کے بجائے جمادی الاولیٰ) کا نام بھی۔دوسرا یہ کہ خواجہ کامگار حسینی مذکورہ دورانیے میں مسلسل اور متواتر خدمت شیخ میں حاضر نہیں رہے۔وہ امیر الامرا سید حسین علی خاں کے ساتھ سرکاری دورے پر تھے۔انھیں منصبی مصروفیات سے جب بھی فراغت ہوتی تھی،تو وہ خدمت شیخ میں زیارت اور کسب فیض کے لیے چلے آتے تھے۔

(۴) ''ان کا انتقال مرشد کی حیات میں ہی (۲۷۔ربیع الاوّل ۱۱۳۲ھ) ہو گیا تھا''۔(۱۲)

خواجہ محمد نورالدین کا انتقال ۱۱۳۱ھ میں ہوا،نہ کہ ۱۱۳۲ھ میں۔

(۵) ''۲۔ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ کی ایک مجلس کا حال کامگار خاں نے لکھا ہے: ارشاد شد رفیع الدرجات دولت پای بوس حاصل کرد،ذکر در......''۔(۱۳)

پروفیسر خلیق احمد نظامی کی توجہ اس تاریخی مغالطے کی طرف مبذول نہ ہوئی اور وہ سہو کاتب کو روا روی میں نقل کر گئے۔سال ۱۱۳۱ھ ہونا چاہیے تھا،کیونکہ مذکورہ بالا تاریخ ماہ وسال کو رفیع الدرجات کو وفات پائے کئی مہینے گزر چکے تھے۔

(۶) ''مجالس کلیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نگار نے شیخ کی روانگی کی تاریخ ایک دن بعد یا پہلے لکھ دی،تو اورنگ زیب نے اُس کی گرفت کی''۔(۱۴)

اورنگ زیب عالمگیر نے واقعہ نگار کی گرفت نہیں کی۔واقعہ یوں ہے کہ جب شیخ یحییٰ مدنی کے ایک صاحبزادے دہلی تشریف فرما ہوئے،تو اُن کی ملاقات عالمگیر سے ہوئی۔دورانِ ملاقات

بادشاہ نے پوچھا کہ: شیخ کس تاریخ کو حجاز روانہ ہوئے؟ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: ۲۶ ویں رجب کو۔ بادشاہ نے کہا: لیکن واقعہ نگار نے روانگی کی تاریخ ۲۷ ویں رجب لکھی ہے۔ اِس پر اُنھوں نے فرمایا: ''بیست و ششم بود۔ واقعہ نگار شب را در روز محسوب نمودہ باشد''۔ (۱۵)

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے یہ واقعہ اورنگ زیب عالمگیر کی خبر داری، قوی یادداشت اور کارِ منصبی میں دلچسپی کے حوالے سے بیان فرمایا تھا۔

[۶]

خواجہ کامگار خاں حسینی کا اسلوبِ نگارش سادہ، مگر دل نشیں ہے۔ سادگی میں پُرکاری اور دل نشینی میں معنوی تہہ داری کے رنگ نمایاں ہیں۔ کہیں کہیں منظر آرائی میں وہ اپنے اُسلوب کی رنگینی کی بہار بھی دکھاتے ہیں، لیکن اُن کی زیادہ تر توجہ گفتگو کی فکری تعبیر اور تفہیم پر مرکوز رہتی ہے۔ اس طرح اُن کا اسلوبِ اظہار: عبارت آرائی کا طلسماتی پیکر اوڑھ کر تخیلاتی رنگوں کی دھند میں گم نہیں ہوتا، بلکہ وہ معنی آفرینی کی جمالیاتی رنگارنگی کا ترجمان بن کر فکر و فرہنگ کا عکاس بن جاتا ہے۔ وہ جزئیات سے کلیات کی تشکیل پذیری کا ہنر جانتے ہیں، کیونکہ جب وہ منظر سے پس منظر کی تخلیق کرتے ہیں، تو پیش منظر: منظرنامے میں ڈھل کر اُسلوب کی رنگینی کو تازگی اور تخلیقی اظہار کو چاشنی سے مملو کر دیتا ہے۔ یوں اُن کے ہاں فکر کی معنوی بصیرت افروزی: متنوع رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر جلوہ گر ہوتی ہے، تو جز سے کل کا سفر معنوی مدار میں مجلس کی خارجی رنگ آمیزی کو اُس کے داخلی اور وجدانی تفکر سے باہم آمیخت کر کے اُسلوبیاتی سطح پر ایک نئے منظرنامے کی تشکیل کرتا ہے، جو ایک طرف لفظ کی تہذیبی معنویت کو جمالیاتی آہنگ سے آشنا کرتی ہے، تو دوسری طرف اس کا رابطہ معنوی آفاق تک پھیل جاتا ہے۔

[۷]

مجالسِ کلیمی مختلف اور متنوع رنگوں سے مزین ہے۔ اِس میں زندگی اور اس کے رنگا رنگ موسموں کی بہار دیدنی ہے۔ اس مجموعے میں گنجینۂ معانی کی فکری اپیل بھی ہے اور مشاہداتی اور وجدانی رنگوں کی بہار بھی؛ اس میں تاریخی منظرنامے بھی ہیں اور سیاسی احوال کی عکس اندازی

بھی ؛ ماضی کا تذکرہ بھی ہے اور مستقبل کی منظر آرائی بھی ؛ زندگی کے معاشرتی رویے بھی ہیں اور فکری تلازمے بھی ؛ محبت کا رنگ بھی ہے اور تربیت کا آہنگ بھی ۔ یہ مجموعہ معنوی اختصار اور فکری جامعیت کی عمدہ مثال ہے ۔ خواجہ کامگار حسینی نے چودہ مجالس میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خانقاہ میں گل افشانی گفتار کے اتنے رنگ محفوظ کیے ہیں کہ ان سے سلسلۂ چشتیہ کے طریقۂ تدریس اور نظامِ تربیت کی ہمہ گیری کے مناظر منعکس ہوتے ہیں ۔ شیخ کی گفتگو زندگی کے ظاہری اور داخلی رویوں کو کس طرح ایک نقطۂ اتصال پر منعکس کرتی ہے؟ اس کی جمالیاتی توجیہہ کے متنوع مناظر اس مجموعے کی مجالس میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں ۔ بے رنگی کی وجدانی اور مشاہداتی تعبیر جب رنگا رنگ مناظر کے کینوس پر بکھرتی ہے، تو زندگی کے ہمہ گیر رویوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے ۔ اس سے معاشرے پر سلسلۂ چشتیہ کی فکری اور روحانی اثر اندازی کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں ۔ بادشاہوں کے دربار سے دوری اور اُن کے حسنِ سلوک سے بے نیازی ؛ معاشرتی اور سماجی زندگی میں اس سلسلے کا طرۂ امتیاز ہے ۔ یہ سلسلہ عوامی زندگی کو اپنے دامن میں یوں سموئے ہوئے ہے کہ اس کی بدولت انکسار اور عجز و نیاز کے خوش رنگ قافلے انفس و آفاق کی سیر کے لیے رواں دواں رہتے ہیں اور ان سے انکسارِ ذات کے رنگ بھی بکھرتے ہیں اور اثباتِ ذات کے موسم بھی طلوع ہوتے ہیں ۔

حوالے :

(۱) مجالسِ کلیمی (خطی) : خواجہ محمد کامگار خاں حسینی : نسخہ مخزونہ کتب خانہ تونسہ مقدسہ : برگ ۲ ب اور ۱۳ الف

(۲) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت : ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، لاہور : ۱۹۹۵ء : ص ۴۶۵

(۳) تاریخ مشائخ چشت :: ادارۂ ادبیات، دہلی : ۱۹۸۴ء : ص ۹۳

(۴) فہرستِ مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان (جلد سوم) : مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد : ۱۹۸۴ء : ص ۱۸۶۶

(۵) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت:ص۴۶۶

(۶) مجالسِ کلیمی (خطی):برگ۱۱۲الف

(۷) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت:ص۴۶۸

(۸) محولہ بالا:ص۴۶۸۔۴۶۹

(۹) تاریخِ مشائخ چشت:ص۱۸۱

(۱۰) محولہ بالا:ص۱۸۱

(۱۱) محولہ بالا:ص۱۸۰

(۱۲) محولہ بالا:ص۱۸۰

(۱۳) محولہ بالا:ص۱۳۴۔۱۳۳

(۱۴) محولہ بالا:ص۹۳

(۱۵) مجالسِ کلیمی (خطی):برگ۷الف

١٨

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد بیحد و سپاس بیقیاس مر خالقی را که ساخت بر بنیاد
نیستی که داشته و نیستی بالصورت هستی جلوه گر نموده
سبحان الله هستی عین نیستی است و نیستی پایه هستی
نظم تا تو نمی از هستی خود دانی پیر نیستی و نیستی تا هستی چونکه
در نیستی هستی بود نمود اصل هستی نیستی شد و نمود
این معانی برتر از تقریرهاست این عبارت خارج از تحریرهاست
فهم کان عاجز است از درک این عاقلان مشغول است گردند از این
درود بیحد و سلام ناتناهی بر آن مظهر اتم و رسول اکرم
صلی الله تعالی علیه وسلم و بر آل و اصحاب وی رضی الله تعالی عنهم اجمعین
باد که گوی طریق هدایت و رهنمای گم گشتگان راه ضلالت اند
و رحمت علی نهایت شامل حال تابعین و تبع تابعین باد که
هر دو جانشین ایشان اند اما بعد این عاصی سراپا تقصیر

١٩

فقیر خاکسار محمد کامگار و اخوی محمد نور الدین نقشبندی
الحسینی الحصاری که یکی از غلامان درگاه آسمان جاه حضرت
غریب نواز یعنی نظام الملک والدین است در بلده فاخره خجسته
بنیاد که از بلاد دکن مشهور است و معروف مسکن و ماوا و مولد
و منشا ماست هر دو برادر در رکاب اقدام آنحضرت منظور انظار گردیدیم
و سعادت دارین حاصل نمودیم و صحبت ... الله حضرت شاه کلیم الله
سلسله ... پیران هر دو گروه ... تقصیر ... داشته
خلافت با شاهان هند تشریف داشتند ...
و تمنائی قدمبوسی بحول الجمله و برادرم محمد نور الدین علیه الرحمة اکثر
اوقات از فرط محبت و غلبه شوق قصه آمدن دهلی میکرد اما از
بسکه الف فقاره جهاد با ... حضرت غریب نواز ورد او بود
جدائی آنحضرت میسر نمیشد و نمیتوانست از خجسته بنیاد بر آمدن
منتظر میبود که اگر تشریف بردن حضرت غریب نواز بطرف
دهلی شود و در رکاب سعادت آنحضرت ... شده بآرزوی قدم
بوسی حضرت ولایت مرتبت خود را رسانده و این خاکسار ...

آغاز کتاب مستطاب مجالس کلیمی

بسم الله الرحمن الرحیم

مجلس اول روز یکشنبه تاریخ بست و هفتم ربیع الاول سنه ۱۱۳۲ بسعادت قدمبوسی حاصل شد
شفقت و عنایت بلا نهایت بحال عاجز فرمودند در خیریت حضرت صاحب قبله غریب نواز
حضرت نظام الملک والدین استفسار فرمودند کمترین معروض داشت الحمد لله [illegible] و صحیح
المزاج و تندرست اند آمدن خاکسار باین دیار با آنکه [illegible] اختیار واقع شد قصد فدوی
چنان بود که از دو سه منزل رخصت شود و بخجسته بنیاد باز گردد رخصت نیافته و بلا قصد آمد
هندوستان اتفاق افتاد و الا غرض داشت حضرت غریب نواز البته بسفر [illegible] فرموده اند که شما خود
مکتوب [illegible] احوال و اخبار [illegible] مستفید [illegible] اشتیاق
قدمبوسی اخوی را بمرتبه ایست که [illegible] بشوق [illegible] که [illegible] آئینه
ضمیر منیر [illegible] ظاهر است از راه فضل و بنده نوازی فرمودند که اشتیاق شما [illegible] برادر ما را
چنان بود که اشتیاق دیدن شیخ [illegible] بحال عاجز اخوی علیه
الرحمه فرمودند رقت عظیم بر خاکسار طاری شد [illegible] آورد [illegible] نشسته
رخصت یافت الحمد لله علی ذلک مجلس دویم روز جمعه تاریخ چهارم ماه ربیع الثانی سنه
مذکور دولت پابوسی حاصل شد عزیزی [illegible] فرخ سیر بادشاه هندوستان آورد
که از مدت ما سلطنت بسیار غافل و عاقل خلیفه [illegible] لائق نیست فرمودند
که عالمگیر [illegible] بادشاه [illegible] خبرداری و هوشیاری [illegible] بود و این نقل حکایت
کردند که حضرت شیخ ما شیخ یحیی مدنی قدس سره جهت زیارت حرمین الشریفین زادهما الله
شرفا با اجازت والده ماجده خود تشریف فرموده بودند والده [illegible] اقامت
داشتند وعده نموده که بعد فراغ حج و زیارت روضه مطهره حضرت رسول [illegible] وقت
خواهم کرد بعد ادای حج [illegible] بمدینه سکینه رفتند دل [illegible] بروضه شریفه حاصل
شده بود طاقت مفارقت نبود لیکن [illegible] والده [illegible] رحمت
آن حضرت نبوی صلی الله علیه وسلم [illegible] در مدینه منوره حاضر بودند [illegible] شیخ عثمان
نامی درویش [illegible] با اصحاب خود در آن مکان شریف [illegible] منوره
استادند شیخ مذکور در نهایت خورسندی [illegible] سیاه و عمامه [illegible] رنگ
برسر و یاران ایشان لباس یک رنگ [illegible] شیخ [illegible] استاد

مجالس کلیمی [illegible] کتب خانه [illegible]

اشاریہ

اشخاص:

رسائل:

کتاب ہا:

اماکن:

ادارے:

ادارۂ یادگارِ غالب کی نئی مطبوعات

رفت و بود	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	چار سو پچاس روپے
فلسفیانہ مکالمے	قاضی قیصر الاسلام	دو سو پچاس روپے
ہماری قومی ثقافت	فیض احمد فیض	پانچ سو روپے
غالب (شمارہ ۲۰؍۲۰۱۲)	رؤف پاریکھ (مدیر)	تین سو روپے
زمانہ تحصیل	عطیہ فیضی	دو سو روپے

محرابِ تحقیق

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اسلام آباد کی ایک جامعہ میں درس و تدریس سے تو منسلک ہیں ہی، تحقیق و تنقید نیز تصوف اور اس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ فارسی سے بھی خوب واقف ہیں۔ چنانچہ انھیں کتب خانوں میں مخطوطات کی تلاش میں کوشاں پایا۔ ایک بار علمی کام کے سلسلے میں شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہم رکاب ہونے کا موقع ملا۔

خیر پور کی پبلک لائبریری میں ایسے چند فارسی مخطوطات محفوظ ہیں جو بعض بزرگوں کے حالات اور ملفوظات پر مبنی ہیں۔ لائبریری کے عملے اور ڈاکٹر یوسف خشک صاحب کے تعاون سے ساحر صاحب نے ایک مطلوبہ نسخے کا عکس پبلک لائبریری سے حاصل کر لیا۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ کئی خانقاہوں کے بھی کتب خانے چھان چکے ہیں بلکہ ان کے بعض اہم قلمی نسخوں کے تعارف اور ان کی تدوین پر مبنی کچھ کام بھی شائع کر چکے ہیں۔

چنانچہ ان سے درخواست کی کہ ان مقالات کو یکجا کر دیجیے۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور یہ مسودہ ادارے کو اشاعت کے لیے دے دیا۔ ان مقالات میں اہلِ علم اور اہلِ قلم کے ساتھ اہل اللہ کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بعض اہم مقالات اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان میں قلمی نسخوں کا تعارف بھی ہے اور بعض غیر مطبوعہ اور غیر مدون متون کا جائزہ بھی۔ ساحر صاحب تحقیق اور تنقید کے تو مردِ میدان ہیں ہی نثر بھی خوب لکھتے ہیں۔ لہٰذا اب آپ ساحر صاحب کی تحقیق کے ساتھ ان کی سحر طراز نثر سے بھی لطف اٹھائیے۔

رؤف پاریکھ